۷۸۶

سرورِ کائنات

مُصنّفہ

دی رائٹ آنریبل سیّد امیر علی مرحوم

مترجمہ

منصور احمد مرحوم

سابق

چیف ایڈیٹر "ادبی دنیا" لاہور

قیمت ـــــ مجلد ـــــ عمر

دیباچہ

سید امیر علی مرحوم کی شہرہ آفاق تصنیف "سپرٹ آف اسلام" کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ سیرت النبیؐ پر مشتمل ہے۔ اور دوسرے حصے میں اسلام کی تعلیم اور اصول و اعیان کے متعلق مضامین ہیں۔ میں نے ان اوراق میں پہلے حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں آنحضرتؐ کی زندگی پر ایک انسان کامل کی حیثیت سے روشنی ڈالی ہے۔ اور آپ کے کارناموں اور آپ کی تعلیم کو ایسے پُرجوش اور خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس سے زیادہ موثر پیرایہ آج تک کسی دوسرے سیرت نگار کا قلم پیدا نہیں کر سکا۔ یہ سوانح عمری درحقیقت تاریخ ہے۔ اسلام کی ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے جس میں اس کی ایک نہایت ہی قلیل مدت میں لاکھوں انسانوں کے قلب و ضمیر پر قبضہ حاصل کر لینے کی کہانی ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ظہورِ قدسی سے پہلے عرب کے افراد و اقوام کس پستی اور ضعیفیت میں گرفتار تھے۔ اور حضور سرورِ کائناتؐ نے کس طرح انہیں مادی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے سربلند کیا۔ دنیا کے اس بےنظیر انقلاب

کی سرگذشت میں واقعات کے بیان کے ساتھ ساتھ غیر مسلم معترضین کے اعتراضات کے جواب ایسے مدلل، اور آزادانہ پیرائے میں لکھے گئے ہیں کہ ہر معقول انسان کے دل میں اُتر جاتے ہیں ۔

جس بلاغت، برجستگی، اور شگفتگی کا حامل سیّد امیر علیؒ مرحوم کا طرزِ بیان ہے۔ اُسے کما حقہٗ اُردو زبان میں منتقل کرنا کم از کم میرے بس کی بات نہیں۔ میں نے اپنی سیدھی سادی زبان میں اُن کے الفاظ کا صحیح صحیح مفہوم ادا کر دیا ہے۔ اگر پڑھنے والوں کو اس سے زیادہ کوئی خوبی نظر آئے۔ تو اسے مرحوم کے حُسنِ بیان کا فیضان سمجھنا چاہیئے ۔

منصُور احمد

رسول کریم کا عکسی خط

جو آپ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں مصر کے بادشاہ کو بھیجا تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہٖ   کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ   صلوا علیہ وآلہٖ

یہ دو شعر جن کی خوبی کو ہم دوسرے الفاظ میں ادا کر ہی نہیں سکتے۔ اُس انسان کے حسنِ سیرت اور علوِ اخلاق کے بیان سے شرمندہ ہیں جس کے حالاتِ زندگی اور جس کی تعلیم کی نسبت ہم آیندہ صفحات پر کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سنِ عیسوی کی ساتویں صدی کا آغاز ہے۔ ایک متفکر اور خاموش طبیعت کا انسان جس کی عمر کا آفتاب اس وقت نصف النہار سے کچھ متجاوز ہو چکا ہوگا عربی لبادہ اپنے کندھوں پر ڈالے اور اپنے طیلسان کو اپنے چہرے پر جھکائے اکثر مکہ کے بازاروں میں سے گزرتا ہے۔ اس کی رفتار کبھی دھیمی ہوتی ہے اور کبھی ذرا تیز۔ نہ وہ کسی گزرنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور نہ دنیا

کی عیش و عشرت کے مناظر پر نظر کرتا ہے۔ بلکہ وہ ایک گہری سوچ میں ڈوبا رہتا ہے۔ اس کے باوجود اگر اُسے کوئی معمولی سے معمولی انسان بھی سلام کرتا ہے تو وہ اس کا جواب دینے سے کبھی غافل نہیں ہوتا! وہ ان چھوٹے چھوٹے بچوں سے محبت و شفقت کی دو باتیں کرنے سے بھی کبھی دریغ نہیں کرتا۔ جو آ آ کر اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ الامین یہی ہے۔ اس نے اپنی زندگی ایسے با دیانت اور پُر وقار طریق سے گزار دی ہے۔ اور اس نے اپنے خالق اور اس کی مخلوق کے حقوق کے لئے اتنی سعی و کوشش کی ہے۔ کہ اس کی قوم نے اسے امین کا خطاب دے رکھا ہے۔ لیکن اب اس کی عجیب و غریب" تعلیم کی وجہ سے اس کے شہر کے لوگ اس کی طرف بدگمانی کی نظروں سے دیکھنے لگے ہیں۔ وہ "سمجھنے لگے ہیں کہ یہ ایک مجنون، خبطی ہے۔ اور ایک دیوانہ انقلاب پرست ہے جو سوسائٹی کے قدیم امتیازات کو ہموار کر دینا چاہتا ہے۔ جو اُن کے پرانے حقوق اُن سے چھیننا چاہتا ہے۔ اور جو اُن کے قدیم رسم و رواج اور قدیم دین و مذہب کو اُن سے چھڑانا چاہتا ہے"۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ تمام عرب کے شہروں میں اپنی جائے وقوع اور اپنی تمدنی اور معاشری سرگرمیوں کی وجہ سے خاص اہمیت! و امتیاز رکھتا تھا۔ شہر ایک نشیب وادی میں شمال سے جنوب کی طرف پھیلتا ہوا

مغرب کی جانب پہاڑیوں کے ایک سلسلے سے اور مشرق میں بھربھرے پتھر کی بلند چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور اس کے مرکز میں کعبہ کی خوبصورت عمارت تھی۔ اپنی سیدھی اور صاف سڑکوں اپنے عالی شان مکانوں اور اپنے دار الندوہ کے ساتھ یہ شہر اُس وقت اپنے عروج و کمال اور اپنی طاقت و قوت کا ایک غیر معمولی مظاہرہ کر رہا تھا۔ کعبہ کی تولیت جو دراصل فرزندانِ اسمٰعیل علیہ السلام کا حق تھی۔ اہلِ بابل کے حملہ کی وجہ سے جرہمیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ مذہبی اور دنیاوی اقتدار کے اجتماع نے بنی جرہم کو یہ درجہ دے دیا تھا کہ اُن کے سردار "ملک" کا لقب اختیار کر چکے تھے۔ تیسری صدی کے اوائل میں جرہم ایک قحطانی قبیلہ کی یورش سے مغلوب ہو گئے۔ یہ قبیلہ بنی خزاعہ کے نام سے مشہور تھا۔ اُنہوں نے یمن کے جنوب سے اُٹھ کر مکہ اور حجاز کے جنوبی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی عرصہ میں آلِ اسمٰعیلؑ جو بادشاہِ بابل کے ہاتھوں بری طرح پامال ہو چکے تھے۔ آہستہ آہستہ پھر اپنی سابقہ قوت حاصل کر رہے تھے۔ عدنان حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان کے ایک فرد تھے۔ ان کا زمانہ پہلی صدی قبلِ مسیحؑ کے قریب ہے۔ اُنہوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح ایک جرہمی سردار کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ اور مکہ ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ انہیں کے بیٹے معد حجاز اور نجد میں خاندانِ اسمٰعیلؑ کے مورثِ اعلےٰ بنے

فہر جو معد کی اولاد تھے - اور جن کا لقب قریش تھا اُس قبیلہ کے باپ تھے۔ جس میں عرب کا شارع اور پیغمبرؐ پیدا ہوا - ان کا زمانہ تیسری صدی عیسوی ہے ۔

حرم محترم کے تمام مناصب دو سو سال سے کچھ زائد تک بنو خزاعہ کے ہاتھوں میں رہے - اور اس عرصے میں وہ تمام اُس بزرگی اور فضیلت کے مالک رہے جو اس خدمت کی وجہ سے انہیں ملی تھی - لیکن بنو خزاعہ کے آخری سردار حُلیل کی وفات پر جو قصی[1] جو فہر کی اولاد میں سے تھے - اور جن کی شادی حُلیل کی بیٹی سے ہوئی تھی - خزاعہ کو مکہ سے نکال کر اس تمام اقتدار پر متصرف ہو چکے تھے - جو دنیاوی اور مذہبی حیثیت سے انہیں شہر میں حاصل تھا - اور اس طرح وہ حقیقی معنوں میں حجاز کے فرماں روا بن چکے تھے[2]

قصی غالباً پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں مکہ پر قابض ہوئے۔

---

[1] قصی فہر کی ساتویں پشت میں تھے - ان کی پیدائش کا زمانہ ۳۹۸ء ہے - لفظ قریش " قرش " سے ماخوذ ہے - جس کے معنی ہیں " تجارت کرنا " فہر اور ان کی اولاد تجارت کیا کرتی تھی ۔

[2] بنو خزاعہ کا ذکر اس کے بعد ہم اُس وقت سنتے ہیں جب قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان سے امداد طلب کی تھی ۔

اور انہوں نے فوراً شہر کا نظم و نسق ایک مرتب اور منظم طریقہ سے شروع کر دیا۔ قصی کے عہد حکومت سے پہلے قریش کے مختلف خاندان متفرق طور پر شہر کے مختلف حصوں میں رہتے تھے جو کعبہ سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ کعبہ کا حد سے بڑھا ہوا احترام جو اُن کے دلوں میں گھر کر چکا تھا ان کو اس کے قرب و جوار میں کوئی جائے سکونت تعمیر کرنے سے روکتا تھا۔ لیکن قومی معبد کی غیر محفوظ حالت کے خطرے کو محسوس کر کے قصی نے حکم دیا کہ قریش اس کے آس پاس آ کر مقیم ہو جائیں مگر کعبہ کے چاروں طرف طواف کے لئے کافی جگہ چھوڑ دی گئی۔ یہ قبیلے جنہیں زمین ملی نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ بندیوں میں رہتے تھے +

قصی نے اپنے لئے ایک محل تعمیر کیا۔ جس کا دروازہ کعبہ کی طرف کھلتا تھا۔ یہ محل دار الندوہ[1] کے نام سے مشہور تھا جہاں قصی کی صدارت میں ملکی معاملات پر بحث کی جاتی تھی۔ اور اُن کو عمل میں لانے کے لئے احکام جاری کئے جاتے تھے۔ اس دار المشورہ میں چالیس سال سے کم عمر کا کوئی شخص شامل نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن قصی کا خاندان اس شرط سے مستثنےٰ تھا۔ دار الندوہ ہی میں تمام شاہی مناصب بھی عطا ہوتے تھے۔ چنانچہ قریش جب

[1] یہ عمارت جو بارہا تعمیر ہوئی۔ آخر کار عبد الملک خلیفہ کے عہد میں ایک مسجد کی شکل میں تبدیل کر دی گئی +

کسی لڑائی میں شامل ہونے لگتے تو اسی جگہ ان کو قصی کے ہاتھ سے جھنڈا ملتا تھا۔ قصی اپنے ہاتھوں سے ایک نیزے کے سرے پر سفید کپڑے کا ایک ٹکڑا ٹانک دیتے تھے اور پھر خود اسے قریش سردار کے حوالے کرتے تھے۔ یا اپنے کسی بیٹے کے ہاتھ بھیج دیتے تھے۔ یہ رسم عقد اللوا کہلاتی تھی۔ اور ابتدا اسے لے کر جب قصی نے اس کا آغاز کیا۔ عرب حکومت کے اختتام تک قدیم دستور کے مطابق انجام دی جاتی رہی۔ قصی کے آئین وضوابط میں سے ایک اور بھی ہے جو بڑی مدت تک قائم رہا۔ اُنہوں نے قریش پر ان غریب حجاج کے لئے جو ہر سال حرم کی زیارت کے لئے آتے تھے خوراک کے فراہم کرنے کی ضرورت ظاہر کی۔ اور اُن کو بحیثیت میزبان ہونے کے اُن کے فرائض بتائے۔ اور اُن سے چندہ کے طور پر ایک سالانہ رقم مقرر کرائی جسے افادہ کہتے تھے۔ اور جو ایام المنا[۱] میں غریب زائرین حرم کو کھانا کھلانے پر صرف کی جاتی تھی۔ قربانی کا دن اور اس سے اگلے دو دن ایام المنا کہلاتے تھے۔ یہ معمول اسلام کے بعد تک جاری رہا۔ خلفاء اور ان کے بعد سلاطین کے نام سے حج کے موقع پر ہر سال جو کھانا تقسیم ہوا کرتا تھا اس کی ابتدا اسی افادہ سے ہوئی۔ ندوہ، لوا اور الفاظ ان مناصب عظیمہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ جن کی بنیاد قصی نے ڈالی یعنی

[۱] منا مکہ کے نواح میں ایک مقام کا نام ہے +

(۱) قومی مجلس کا انعقاد اور اس کی صدارت (۲) جھنڈا عطا کرنا جو فوج کی سرداری کا نشان ہوتا تھا۔ اور (۳) حجاج کی خوراک کا انتظام کرنے کے لئے چندہ وصول کرنا۔ ان مناصب کے علاوہ مکہ اور اس کے گردو نواح میں پانی کی بہم رسانی کا انتظام قصی کے ذمہ تھا۔ (سقایہ) کعبہ کی چابیوں کی امانت اُن کے سپرد تھی۔ (حجابہ)

اِس طرح قصی نے تمام بڑے بڑے مذہبی، ملکی اور سیاسی مناصب اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لئے تھے۔ وہی بادشاہ تھے۔ وہی قاضی تھے اور وہی سب سے بڑے مذہبی پیشوا تھے۔ ان کی حکومت اور طاقت نے جو بالکل شاہانہ انداز رکھتی تھی۔ قبیلہ قریش کے نام کو چار چاند لگا دیئے یہ متفقہ اور مسلمہ طور پر اُن کے سردار تھے۔ اور انہیں کے زمانہ سے قریش کے بنو اسمٰعیل نے دوسرے قبائل میں ایک نمایاں امتیاز حاصل کیا۔

قصی نے خوب عمر پائی اور سنہ ۴۸۰ء کے قریب فوت ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ اور اُن کی وفات کے بعد عبدالدار بغیر کسی مزاحمت کے خاموشی کے ساتھ اپنے باپ کے منصب جلیل پر فائز ہو گئے۔ لیکن عبدالدار کی وفات کے بعد اُن کے پوتوں اور اُن کے بھائی عبدمناف کے بیٹوں کے درمیان سخت تنازعات برپا ہو گئے۔ اُن کے حلیف، ہمسائے اور

کئی اور قبیلے ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے۔ لیکن ان تنازعات کا جلد ہی فیصلہ ہو گیا۔ اور یہ مفاہمت ہوئی کہ سقایہ اور افادہ کے مناصب عبد الشمس بن عبد مناف کو دے دیئے جائیں۔ اور حجابہ، ندوہ اور لوا عبد الدار ہی کے خاندان میں رہیں۔ عبد الشمس نے جو نسبتاً غریب آدمی تھے اپنے فرائض کو اپنے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیا۔ جو عزت و اقتدار اور مال و منال کے لحاظ سے قریش میں بہت بڑا درجہ رکھتے تھے۔ وہ رقم جسے غریب زائرین کی مدد کے لئے قصی نے قریش کے ذمہ ڈالا تھا اب ہاشم کے پاس جمع ہوتی تھی اور چندے کی یہ رقم اُن کے اپنے مال و جنس سے مل کر ان غریب الدیار لوگوں کی خورد و نوش پر صرف ہوتی تھی جو حج کے موسم میں آ کر مکہ میں جمع ہوتے تھے۔

اکثر اہلِ مکہ کی طرح ہاشم بھی تجارت کرتے تھے اور قریش میں یہ دستور انہیں کا جاری کیا ہوا ہے کہ مکہ سے باقاعدہ طور پر دو کارواں روانہ کئے جایا کریں۔ ایک سردیوں میں یمن کی طرف اور دوسرا گرمیوں میں شام کی طرف ہاشم نے ملک شام کے ایک سفر میں شہر غزہ کے اندر ۵۱۰ء کے قریب انتقال کیا اور اپنی اولاد میں صرف ایک اکلوتا بیٹا چھوڑا جس کا نام شیبہ تھا۔ اور جو ایک یثربی خاتون سلمیٰ کے بطن سے تھا۔ اُن کی وفات کے بعد افادہ اور سقایہ کا اہتمام اُن کے سب سے چھوٹے بیٹے مُطلب کے ہاتھ میں آیا۔

جنہوں نے اپنے ہموطنوں کی نظروں میں ایک اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اور جن کی بزرگی اور فیاضی کو دیکھ کر قوم نے اُن کو "الفیض" کا خطاب دے رکھا تھا۔ مُطلب، شیبہ کو یثرب سے مکّے میں لے آئے۔ مکّہ والوں نے شیبہ کو غلطی سے مُطلب کا غلام سمجھ لیا اور اُنہیں عبد المطلب کہنے لگے! اور اب تاریخ رسُولِ خدا کے دادا کو عبد المطلب کے سوا کسی دوسرے نام سے نہیں پہچانتی +

مطّلب نے ۵۲۰ء کے آخر میں ملک یمن کے ایک شہر غزوان میں انتقال کیا اور اُن کے بعد عبد المطلب اُن کے جانشین ہوئے اور مکّہ کے حقیقی فرمانروا بنے۔ مکّہ میں اس وقت چند اُمراء شہر کی حکومت تھی۔ جو خاندان قصی کے مقتدر افراد پر مشتمل تھی۔ چاہ زمزم کی دوبارہ دریافت جس کا سہرا عبد المطلب ہی کے سر ہے۔ اور اس کی نگہداشت اور حفاظت کے تنازعات کے تصفیہ کے بعد جو جماعت برسرِ حکومت ہوئی۔ وہ دس افراد پر مشتمل تھی۔ جن کو شریف کہتے تھے۔ ان دس افراد کا مرتبہ سلطنت میں سب سے زیادہ بلند تھا۔ اور اُن کے عُہدے موروثی ہوتے تھے۔ جن کا حق خاندان کے سب سے بڑے فرد کو پہنچتا تھا۔ یہ مناصب مُندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ حجابہ:۔ کعبہ کی چابیوں کی محافظت۔ ایک متبرک عُہدہ جو بہت درجہ رکھتا تھا۔ یہ منصب عبد الدار کے خاندان کو حاصل تھا۔ جب اسلام

مکہ میں آیا تو اس عہدہ پر عثمان بن طلحہ فائز تھے ۔

۲۔ سقایہ :- یا زمزم کے مقدس چشموں اور اس کے علاوہ اس تمام پانی کا اجارہ جو حجاج کے استعمال کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ یہ منصب بنو ہاشم کے خاندان میں تھا اور فتح مکہ کے وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس کے ہاتھ میں تھا ۔

۳۔ دیتہ :- یعنی دیوانی اور فوجداری عدالت ۔ جو مدت دراز تک تیم ابن مرہ کے خاندان میں رہی ۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہ منصب عبداللہ ابن قحافہ یا ابوبکرؓ کے پاس آگیا ۔

۴۔ سفارت :- جس شخص کے پاس یہ عہدہ ہوتا تھا وہ حکومت کا وکیل مطلق سمجھا جاتا تھا۔ اسے قریش اور دوسرے عرب قبائل اور غیر عرب لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو جاتے تھے اُن پر بحث اور تصفیہ کا پورا اختیار حاصل ہوتا تھا۔ یہ منصب حضرت عمرؓ کے قبضہ میں تھا ۔

۵۔ لوا - یعنی اس جھنڈے کے عطا کرنے کا منصب جس کے نیچے قوم جمع ہو کر دشمن سے جنگ کرنے جاتی تھی ۔ یہ سلطنت کی افواج کا اعلیٰ ترین عہدہ تصور کیا جاتا تھا۔ اور اس کا علمبردار بنو امیہ کا خاندان تھا۔ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن ابوسفیان بن حرب متعین تھا ۔

۶۔ افادہ :۔ اس رقم کا انتظام جو قوم کی خیرات سے جمع ہوتی تھی۔ اور جو غریب حجاج کے لئے جنہیں حکومت خدا کا مہمان سمجھتی تھی ۔ اور جن میں مسافر یا مقیم کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ کھانا وغیرہ مہیا کرنے میں صرف ہوتی تھی۔ یہ خدمت ابوطالب کو ابولطلب سے ملی۔ اور اُن کی وفات پر نوفل بن عبدمناف کے خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حارث بن عمر کے ہاتھ میں تھی +

۷۔ ندوہ ۔ یعنی مجلس ملیہ کی صدارت ۔ جو شخص اس منصب پر مامور ہوتا تھا وہ نظام حکومت کے اندر سب سے بلند مقام پر سمجھا جاتا تھا۔ اور سلطنت کے تمام امور اسی کے مشورے سے انجام پاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ منصب قصی کے بیٹے عبدالعزیٰ کے خاندان کے ایک فرد اسود کے پاس تھا +

۸۔ خیمہ :۔ یا دارالمشورہ کی تولیت ۔ یہ عہدہ جو عہدہ دار کو مجلس کے اکٹھا کرنے کا حق دلاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی فوجوں کو جنگ کے لئے مجتمع کرنے کا منصب بھی عطا کرتا تھا۔ خالد ابن ولید کے سپرد تھا۔ جو مرہ بن یحزوم کے خاندان میں سے تھے +

۹۔ خازنہ :۔ یعنی بیت المال کا انتظام و انصرام ۔ حسن بن کعب کے خاندان کے ہاتھوں میں تھا۔ اور حارث بن قیس کے سپرد تھا +

۱۰- ازلام :- اُن تیروں کی تحویل جو بتوں کی مرضی دریافت کرنے کے لئے چلائے جاتے تھے۔ یہ منصب ابوسفیان کے بھائی صفوان کے پاس تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ ایک مسلّمہ دستور تھا۔ کہ یہ عہدہ دار جتنا زیادہ پرانا ہوتا اتنا ہی اس کا اثر و اقتدار بھی بڑھ جاتا تھا۔ اور اسے قوم کی طرف سے رئیس یا سیّد کا خطاب ملتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں اس منصب پر عباسؓ فائز تھے +

مگر باوجود طاقت و اختیار کی اس تقسیم کے عبدالمطلب کے ذاتی اخلاق اور اقتدار و رسوخ نے ان کو ایک امتیازی درجہ دے رکھا تھا۔ اس معزز عرب سردار کو جس نے اپنی قوم کے دستور کے مطابق اپنے ایک بیٹے کو اوثان کعبہ کے سامنے قربان کرنے کی منّت مانی ہوئی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اولاد کثیر[۱] عطا کر

---

[۱] عبدالمطلب کے ہاں بارہ بیٹے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں میں سے حارث جو سب سے بڑے بیٹے تھے ۵۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ عبدالعزیٰ یا ابولہب جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ایذا دینے میں انتہا کر دی۔ عبد مناف جو ابوطالب مشہور ہیں ۵۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۶۲۰ء میں انتقال کیا۔ زبیر اور عبداللہ ۵۴۵ء میں فاطمہ بنت عمر مخزومی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ضرار اور عباس ۵۶۶ء-۶۲۲ء میں نطیلہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مُقوّم اور جہم جو الغیداق اور حمزہ کے القاب سے مشہور تھے ہالہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ لڑکیوں میں عتیقہ، امیمہ، عروہ، براۃ اور اُم حکیم (جن کا لقب البیضا تھا) فاطمہ کے بطن سے تھیں۔ اور صفیہ ہالہ سے پیدا ہوئیں۔ اُن کی شادی (باقی بر صفحہ ۱۷)

رکھی تھی۔ عبدالمطلب اپنے سب سے پیارے بیٹے عبداللہ کو اپنی منت پورا کرنے کے لئے اپنے معبد کے سنگ دل دیوتاؤں کی نذر کرنے لے گئے لیکن تقدیر میں کچھ اور لکھا تھا۔ معبد کے کاہن کے کہنے پر انسانی قربانی ایک سو اونٹوں کی قربانی کی شکل میں تبدیل کر دی گئی +

عبداللہ کی شادی آمنہ سے ہوئی جو خاندان زہری کے سردار وہب کی بیٹی تھی۔ عبداللہ کی شادی کا سال نہایت اہم واقعات سے پر تھا۔ سال کے شروع میں ایک ہی واقعہ ایسا پیش آیا جس نے تمام عرب کو ہلا دیا اور جس سے تمام قوم کے دل لرز گئے۔ ابرہتہ الاشرم یمن کے حبشی نژاد نائب السلطنت نے صنعا میں ایک گرجا تعمیر کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس مال و دولت کو جو کعبہ کی عظمت و تقدیس مکہ میں کھینچ لاتی تھی۔ اپنے شہر میں منتقل کر لے۔ اہل مکہ میں سے ایک شخص نے اس گرجا کی بے حرمتی کی تھی۔ اس واقعے نے اس کے ارادہ کے لئے ایک وجہ موجہ فراہم کر دی۔ اور اس نے کعبہ کی عمارت کو گرانے کے لئے ایک زبردست فوج تیار کی۔ خود میر لشکر بنا۔ اور ایک نہایت آراستہ و پیراستہ ہاتھی پر سوار ہو کر

(بقیہ صفحہ ۱۶) عوام سے ہوئی تھی۔ جو تاریخ اسلام کے بطل جلیل عبداللہ ابن زبیرؓ کے دادا تھے۔ عبدالمطلب کے باقی دو لڑکوں کے نام نامعلوم ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی +

مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس عظیم الشان جانور کو دیکھ کر جو افواج کے درمیان نہایت پُرتمکنت اور باوقار انداز سے چل رہا تھا۔ عرب قبائل کی ذہنیت پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے "عام الفیل" کے نام سے ایک سن کا آغاز کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء کا ہے۔ جب اہلِ حبشہ کی افواج قریب آپہنچیں۔ تو قریش اپنے بیوی بچوں کو لے کر قریب کی پہاڑیوں میں منتقل ہو گئے اور وہیں سے حالات کی رفتار کا مشاہدہ کرتے رہے۔ انہیں ہر وقت اُمید رہتی تھی کہ کعبہ کے اصنام خود اپنے گھر کی حفاظت کریں گے۔ صبح اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ طلوع ہوئی۔ اور حبشہ والے مکہ کی طرف بڑھے۔ چشم عالم نے اُس وقت کیا نظارہ دیکھا۔ روایات کہتی ہیں کہ سارے آسمان کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی بے پناہ اُڑان نے چھا لیا۔ ابابیلیں ذرا ذرا سے کنکر بدقسمت فوج پر پھینکتی تھیں۔ یہ کنکریاں دشمنوں کی زرہوں کو چیر کر انسانوں اور گھوڑوں کے جسموں میں سے پیرتی ہوئی نکل جاتی تھیں۔ قدرت کی اس جنگ نے حملہ آور فوج میں ایک خطرناک تباہی و بربادی پھیلا دی۔ اس پر مزید یہ ہوا کہ آسمانوں کے طوفانی دروازے کھل گئے۔ اور بارش اس شدت سے ہوئی۔ کہ پانی مُردہ لاشوں اور نیم جان اجسام کو بہا کر سمندر میں لے گیا۔

ابرہہ زخموں سے چور ہو کر صنعا کی طرف بھاگ گیا۔ اور جلد ہی وہاں مر گیا۔ ابن ہشام یہ عجیب و غریب واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ یہی

وہ سال ہے۔ جبکہ پہلی دفعہ چیچک ملک عرب میں رُونما ہوئی۔ کاسن ڈی پرسیول لکھتا ہے۔ کہ ابن ہشام کے یہ الفاظ ہی معجزے کی پوری پوری توضیح کر دیتے ہیں۔ ابرہہ کی فوج کی تباہی کے وجوہ کو ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے ان وجوہ کو کسی خطرناک وبا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی انجام سنقریوں کا ہؤا۔ کہ اُن کو بھی بارش کے اس بے پناہ طوفان نے آلیا۔ جو اکثر وادیٔ مکہ میں خوفناک ابتری کا باعث ہؤا کرتا ہے +

اِس واقعے کے کچھ ہی مدت بعد عبداللہ نے پچیس برس کی عمر میں یثرب کے ایک سفر کے دَوران میں انتقال کیا۔ اور اُن کے انتقال کے بعد جلد ہی اُن کی مصیبت زدہ بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہؤا جن کا نام محمدؐ رکھا گیا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارہویں ربیع الاوّل کے دن عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اہل حبشہ کی افواج کی تباہی کو پچاس سے کچھ زائد دن گزر چکے تھے۔ سن عیسوی کے حساب سے اگست ۵۷۰ء کی اُنتیسویں تاریخ تھی۔ آپ کی ولادت پر بہت سے نشانات ظاہر ہوئے جن سے اقوام عالم نے جان لیا کہ دُنیا جہان کا نجات دہندہ آج مبعوث ہؤا ہے۔ تاریخ دان مذہبی مناظر کو ان عجیب وغریب نشانات پر بلا دلیل ایمان لاتے ہوئے دیکھ کر ہنستا ہے۔ ایک محقق اور تجسس کے لئے جس کا دل تفکر و تدبر کے قدیم انداز سے ہمدردی رکھتا ہے۔ اور جس کا دماغ اُن آیات

نشانات سے جو مسلمانوں کے نزدیک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر رونما ہوئے کوئی متعصب نہیں رکھتا تاریخی تجزیہ کا محتاج ہے۔ ہم جو اس جدید زمانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ افراد اور اقوام کی زندگیوں کے معمولی واقعات میں ایک ناقابلِ مقابلہ قانون کو جاری و ساری دیکھتے ہیں۔ پھر کیا تعجب ہے۔ اگر آج سے تیرہ سو سال پہلے لوگوں نے کسی قوم کے آثار کے مٹنے میں خدا تعالیٰ کے ہاتھ کو کام کرتے ہوئے دیکھا۔ اور اسے اس قوم کے اُس انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پایا جو اُن کے ظلم اور ناانصافی کی بدولت یقینی طور پر ہونے والا تھا۔ عربوں کے دستور کے مطابق بچے کو دُودھ پلانے کے لئے ایک بدوی عورت حلیمہ کے سپرد کیا گیا جو بنی سعد کے قبیلے سے تھی جو قوم ہوازن کی ایک شاخ تھی۔ جب حلیمہ بچے کو واپس لائی۔ تو وہ کچھ عرصہ اپنی ماں آمنہ کی زیر نگرانی رہا۔ لیکن آمنہ نے کچھ ہی دنوں کے بعد انتقال کیا۔ اور آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی نگرانی میں پرورش پانے لگے۔ عبدالمطلب بھی آنحضرت کی والدہ کے بعد چند ہی روز تک زندہ رہے۔ اور گو اس عرصے میں انہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے آپ کی حفاظت کی۔ لیکن والدین کی محبت جو بچپن کی ایک نعمت ہے یہ نعم البدل نہ بن سکتی تھی۔ والد کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ والدہ بھی چھ سال کی عمر تک داغ مفارقت دے گئیں۔ اور اس ناقابل تلافی نقصان نے حساس طبیعت بچے کے دل پر

ایک گہرا اثر کیا۔ عبدالمطلب کا انتقال ۵۷۹ء میں صنعا سے واپس آکر تھوڑے ہی دنوں بعد ہو گیا[۱]۔ جہاں وہ ذوایزن کے بیٹے سیف کو طوباس کا تخت ملنے پر قریش کی طرف سے مبارکباد پیش کرنے گئے تھے۔ جو اُسے ایرانیوں کی مدد سے ملا تھا۔

عبدالمطلب کی وفات کے بعد اس یتیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا ایک اور دَور شروع ہوتا ہے۔ بسترِ مرگ پر عبدالمطلب نے آپ کو ابوطالب کے سپرد کیا۔ اور ابوطالب ہی کے گھر میں آپ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام گزارے۔ چچا کے غریب اور مسکین گھرانے میں ہم اکثر آپ کو خیالات میں غرق اور آپ کی آنکھوں کو غور و فکر میں ڈوبا ہوا پاتے ہیں۔ ان آنکھوں کو جو اس زمانہ میں مستقبل کو دیکھ رہی تھیں۔ اور کبھی ہم آپ کو صحرا میں حُسنِ فطرت کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت حلیم اور آپ

---

[۱] سقایہ اور افادہ کے مناصب جو عبدالمطلب کے سپرد تھے۔ ان میں سے سقایہ اور زمزم کی نگہبانی اُن کے بیٹے عباس کو ملی اور دوسری ابوطالب کو حاصل ہوئی۔ جو مکہ میں بڑی صاحبِ اختیار شخصیت کے مالک تھے۔ مگر ابوطالب نے افادہ کو اپنی اولاد کے لئے نہ چھوڑا۔ یہ منصب اُن کی وفات کے بعد آلِ نوفل ابن عبد مناف کو ملا۔ اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو فتح کیا۔ تو یہ منصب اس وقت حارث بن عمر بن نوفل کے پاس تھا۔ جیسا کہ ہم منصب افادہ کی ذیل میں پہلے بھی لکھ آئے ہیں۔

اخلاق کریمانہ تھے۔ کسی کی ذرا سی تکلیف کو دیکھ کر بھی آپ کا دل بھر آتا تھا۔ ہر شخص کو آپ سے بے انتہا محبت تھی۔ اور چچا بھی آپ سے بڑی اُلفت رکھتے تھے۔ آپ کی ابتدائی زندگی بھی محنت و مشقت کے بار سے آزاد نہ تھی۔ آپ کو اکثر اپنے چچا کے گلّوں کی رکھوالی کے لئے صحرا میں جانا پڑتا تھا۔ ہاشم اور عبدالمطلب کی شاہانہ فیاضیوں نے اپنے وُرثا کے لئے کچھ نہ چھوڑا تھا۔ اور اب اپنی عُسرت کے باعث اپنا اقتدار و اختیار کھو رہے تھے۔ حجاج کو کھانا وغیرہ کھلانے کی خدمت جو اُمیہ کے حصّے میں آچکی تھی جنھوں نے اولاد ہاشم کے لئے ہمیشہ نہایت حاسدانہ روش کا اظہار کیا +

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابھی کم سن ہی تھے کہ غزوۃ الفجار کی ابتدا ہوئی۔ جس میں جان و مال کا بڑا نقصان ہؤا اور جو کئی سال تک جاری رہی۔ یہ لڑائی عکاظ کے مقام پر ہوئی۔ اور اس میں قریش اور بنی کنانہ ایک طرف تھے۔ اور قیس عیلان دوسری جانب۔ عکاظ مکہ سے تین چھوٹی چھوٹی منزلوں پر طائف اور نخلہ کے درمیان واقع ہے۔ اس جگہ جو تاریخ عرب میں بہت مشہور ہے ذیقعدہ کے محترم مہینے میں سالانہ ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ اس مہینہ میں جنگ کرنا یا کسی اور طریقے سے انسانی خون بہانا ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ مجنہ کے مقام پر مرّالزہران کے قریب جو مکّہ کے پاس واقع ہے۔ اور عرفات کے دامن میں ذوالمجاز پر بھی میلے ہوتے تھے۔ مگر عکاظ کا میلا ایک قومی میلا سمجھا جاتا تھا

جہاں بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ یہاں اس مقدس مہینے میں جب تمام دشمنیاں اور تمام قبیلہ دارانہ پرخاشیں مدفون و مفقود سمجھ لی جاتی تھیں۔ عرب کے تمام حصّوں سے اور دوسرے ملکوں سے دُنیا کی تجارت کا ایک دریا بہتا تھا یہیں نجد و حجاز کے تاجر، صحرا کے شاعر اور بڑے بڑے خطاب اکثر انتقام لینے والوں سے چھپنے کے لئے اپنے چہروں پر نقاب ڈال ڈال کر آتے تھے۔ اور ان تمام قوموں سے جو وہاں جمع ہوتی تھیں داد حاصل کرنے کے لیئے اپنی نظمیں سُناتے تھے۔ عکاظ عرب کا اولمپیا تھا۔ یہاں یہ لوگ محض تجارت کی غرض سے نہ آتے تھے بلکہ اپنی شجاعت اور اپنی شوکت کے نغمے گانے آتے تھے۔ اور اپنی ادبی اور شعری قابلیتوں کا مظاہرہ کرنے آتے تھے۔ وہ قصیدے جنہیں تمام لوگ پسند کرتے سنہری حروف میں لکھائے جاتے اور قومی صنم کدے (کعبہ) میں اخلاف کے لئے بطور یادگار لٹکا دیئے جاتے تھے۔ اِس لئے یہ نظمیں معلقات کہلاتی تھیں۔ ان ایام میں عکاظ خوشی اور جوش کا ایک عجیب سماں پیش کرتا تھا لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی تھا رقاصہ عورتیں جو خیمہ بہ خیمہ پھرتی ہوئیں صحرا کے اکھڑ اور تنومند فرزندوں کے جذبات کو اپنے نشاط آور گیتوں اور ناز و انداز سے مشتعل کرتی چلی جاتی تھیں۔ شرابی بھانڈ جن کے تماشے اکثر لڑائی جھگڑے اور خون ریزی پر ختم ہوتے تھے۔ جوا کھیلنے کے اڈّے جہاں اہل مکّہ شام سے صبح تک جوا

کھیلتے رہتے تھے۔ دو رقیب شاعروں کا ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات کا اُبھارنا جس کے نتیجہ میں دو فریق تلواریں کھینچ لیتے اور یہ جھگڑا ایک غیر مختتم اور تباہ کن جنگ کی صورت اختیار کر لیتا۔ یہ باتیں تھیں جنہوں نے تصویر کے اس رُخ کو بے حد گھناؤنا کر رکھا تھا اور یہی باتیں تھیں جو آمنہ کے یتیم بچے کے دل پر گہرا اثر ڈال رہی تھیں۔ قبیلہ وارانہ جنگوں کے اس درمیانی وقفے میں یعنی ان مقدس مہینوں میں جبکہ تمام جھگڑے اور خونریزیاں ممنوع قرار دی جاتی تھیں۔ آنحضرتؐ اپنے سرپرست چچا کے ساتھ ایک تجارتی سفر پر شام کی طرف گئے[1]۔ یہاں آپ کی آنکھوں نے معاشرتی تنزل اور مذہبی پستی کا ایسا بھیانک نظارہ دیکھا جو تمام عمر آپ کی یاد سے محو نہ ہوسکا۔ اسی درماندگی اور بیچارگی میں خیالات و افکار سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ یہ دُرِّ یتیم بچے سے جوان اور جوان سے مرد ہوا ۔

آپ اپنی قومی روایات سے اچھی طرح واقف تھے۔ جدید اصطلاح کے مطابق آپ کوئی تعلیم نہ رکھتے تھے۔ باوجود اس محبت کے جو آپ کو اپنی قوم سے تھی۔ آپ اپنے عادات اور خیالات کی وجہ سے ان لوگوں سے بالکل الگ

مصنف نے غلط بیانی سے کام لیا ہے

[1] ابو طالب اپنے والد اور دادا کی طرح شام اور یمن کے ساتھ تجارت کرتے تھے وہ دمشق، بصرہ اور شام کے دوسرے شہروں میں حجاز اور حجر کی کھجوریں اور یمن کے عطر لے جاتے اور اُن کے بدلے بازنطینی اشیاء لے آتے تھے ۔

نظر آتے تھے۔ معاشرہ کے اِس ہیولیٰ میں آپ تنہا اپنی عظیم اور ابر قوم کی اس متحرک تصویر کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اہلِ مکہ کی عالمگیر بے آئینی، عکاظ میں جانے والے قبیلوں کے بے وجہ خونریز جھگڑے، قریشیوں کا فسق و فجور اور اوہام پرستی آپ کے اثر پذیر دل میں خوف اور بیزاری کے جذبات پیدا کر دیتے تھے۔

اپنی عمر کے پچیسویں سال میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ پھر شام کا سفر کرنا پڑا۔ اس دفعہ وہ اپنے خاندان کی بلند مرتبہ قریشی خاتون خدیجہؓ کے تجارتی قافلہ کے ساتھ معتمد کی حیثیت سے گئے۔ جس قابلیت اور امانت سے آپ نے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ اس کے خوش آیند نقوش خدیجہؓ کے دل پر آہستہ آہستہ محبت کی صورت میں گہرے ہوتے گئے۔ اور جلد ہی یہ محبت ازدواج کی رفاقت میں تبدیل ہوگئی۔ باوجود اس تفاوت کے جو محمد (صلعم) اور آپ کی بیوی خدیجہؓ کی عمر میں تھا کیونکہ وہ عمر میں آپ سے بہت بڑی تھیں، طرفین میں انتہا درجے کی محبت تھی۔ یہ نکاح "آپ کے لئے وہ اطمینان لایا جس کی آپ کو نبوت کے سے عظیم الشان کام کی انجام دہی کے لئے ضرورت تھی۔ اِس کے علاوہ خدا نے آپ کو ایک عورت کا محبت بھرا دل دیا۔ جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لایا۔ یہی دل تھا جو یاس اور نااُمیدی میں آپ کی ڈھارس بندھاتا اور اُمید کے جھلملاتے ہوئے شعلے کو اُس وقت زندہ رکھتا جبکہ کوئی شخص آپ پر یقین نہ لاتا تھا۔ اور آپ کی آنکھوں کے سامنے تمام دُنیا

تاریک تھی ؟

خدیجہؓ ایک نمایاں ہستی ہیں۔ اور اُن کی زندگی تمام مسلمان عورتوں کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ وہ الزام جو شریع اسلام میں عورت کا درجہ پست کرنے کے متعلق لگایا جاتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ اور اُن کی سب سے چھوٹی "الزہرا" کی اُس عزت اور مرتبے کے مقابل بے حقیقت ثابت ہو جاتا ہے۔ جو اُنہیں مسلمانوں کے نزدیک حاصل ہے۔ خدیجہؓ کے بطن سے آنحضرتؐ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ لیکن تمام بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ ان لڑکوں کی موت نے غمزدہ باپ کا دل ہلا دیا جو اُن سے بہت مانوس ہو گیا تھا انہیں حادثات سے دشمنوں کو رسُول اللہ کے لئے الابتر جیسا غیر مہذب نام تجویز کرنے کا موقع ملا۔

آپ کی ازدواجی زندگی کے آیندہ پندرہ سال عبادت وریاضت اور تفکر و تدبر میں خاموشی سے گزر گئے۔ صرف چند مواقع ایسے آئے جب آپ کو اپنی حالت کی نزاکت یا شہری ضروریات کی وجہ سے اپنی قوم سے سابقہ پڑا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد حکومت کم و بیش تقسیم ہو چکی تھی۔ مختلف ارکان کے محدود اختیارات تھے۔ اور ایسی کوئی عدالت نہ تھی جس کے زیر سایہ افراد کے حقوق اور ملکیت پُر امن طریق پر محفوظ رہ سکتے۔ خونی رشتے اور قبائل کے ساتھ تعلقات تو کسی حد تک شہریوں کو ظلم وجور اور غارت گری سے بچا لیتے۔ لیکن

اجنبی ہر قسم کے ظلم کا نشانہ بن سکتے تھے۔ نہ صرف اُن کے مال و متاع لوٹ لئے جاتے بلکہ اُن کی بیویاں اور بیٹیاں بھی چھین لی جاتیں۔ حنظلہ جو قبیلہ بنی القائن کا ایک مشہور شاعر تھا اور ایک ذی مرتبہ قریش عبداللہ ابن جدعان کی زیر حمایت شہر میں داخل ہوا تھا مکہ کے بازاروں میں لُٹ گیا۔ بے آئینی کے ایسے ہی ایک اور واقعے کی وجہ سے حالات نے سخت نازک صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی تحریک پر بنی ہاشم، بنی مطلب اور قبائل زہرا اور تیم کے مقتدر ارکان نے متحد ہو کر افراد کی حفاظت کے لئے قسمیں کھائیں کہ خواہ وہ مکی ہوں یا اجنبی، آزاد ہوں یا غلام مکہ کے حدُود کے اندر اُن سے اگر ظلم یا بے انصافی کی جائے گی تو مظلوم کے نقصانات کی پوری طرح تلافی کی جائے گی۔ اس اُولوالعزم انجمن کا نام بنی جرہم کی پُرانی انجمن کے نام پر حِلف الفضول رکھا گیا۔ جس کے چار ارکان فضل، فضال، مفضّل اور فضیل تھے۔ اور مجموعی طور پر فضول کہلاتے تھے۔ یہ انجمن آنحضرتؐ کے نکاح کے فوراً بعد یعنی ۵۹۵ء میں قائم ہوئی اور آنحضرتؐ اس کے رُکن اعلےٰ قرار پائے۔ انجمن فضول کا قیام کمزوروں اور مظلوموں کی دستگیری کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ پہلے ہی سال زبردستوں کی بے آئینیاں اس کے رُعب سے دب گئیں۔ اور زیر دستوں کے نقصانات کی پوری طرح تلافی ہو گئی۔ یہ انجمن عہدِ اسلام میں بھی پچاس سال تک پوری قوت سے قائم رہی۔ قیام حِلف الفضول کو چند ہی سال ہوئے تھے۔ اور ساتویں صدی

عیسوی کا ابتدائی زمانہ تھا کہ عثمان بن حویرث نے بازنطینی دولت کی پشت پناہی پر حجاز کو رُوم کے ماتحت کرنے کی کوشش کی۔ آنحضرتؐ کی دخل اندازی سے وہ اپنے ارادہ میں ناکام رہا۔ اور شام کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں بعد میں غسانی شہزادہ عمر نے زہر دے کر اُسے مار ڈالا۔ ۶۰۵ء میں جبکہ آنحضرتؐ کی عمرُ اُنتیس سال تھی قریش نے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا کام شروع کیا۔ تعمیر کے دوران میں مختلف قبائل کے درمیان تعمیر کے متعلق ایک ایسا جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا جس میں اگر آنحضرتؐ دخل دے کر سب کو مطمئن کر دینے والا فیصلہ نہ کر دیتے تو یہ ضرور ایک مہیب اور خونریز جنگ کی صورت اختیار کر لیتا۔ ان پندرہ سال کے دوران میں صرف یہی واقعات ہیں جو ہم آپ کی قومی زندگی کے متعلق جانتے ہیں۔ آپ کی سیرت، آپ کی اُصول پسندی، آپ کی پاکیزہ زندگی، آپ کا غریبوں اور ناتوانوں کی امداد کے لئے ہر وقت تیار رہنا، آپ کی ایمانداری، آپ کی دیانت داری، آپ کی وفا، آپ کا احساس فرائض یہی باتیں تھیں جنہوں نے آپ کے لئے آپ کے ہموطنوں سے الامین جیسا قابلِ رشک خطاب حاصل کیا تھا۔

یہی وقت تھا جب آپ نے اپنے چچا کے احسانات کا کچھ بدلہ اُن کے بیٹے علی کو اپنی زیر نگرانی تربیت لیکر دینا چاہا۔ ابو طالب اپنے قبیلہ کی گذشتہ عظمت کو حاصل کرنے کے لئے بہت حد تک تنگ دست ہو چکے تھے۔ آنحضرتؐ جو اب حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہو جانے کے باعث خوشحال تھے۔ اور حضرت

عباسؓ (ابوطالب کے بھائی) مکہ کے دولت مند لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ عرب میں سخت قحط پڑا۔ اِس پر آنحضرتؐ نے ابوطالب کے ایک بیٹے کی کفالت پر اپنے چچا عباسؓ کو آمادہ کیا۔ اور دوسرے کو خود لے لیا۔ اِس طرح جعفر حضرت عباسؓ کے پاس، علیؓ آنحضرتؐ کے پاس اور عقیل[۱] اپنے باپ کے پاس رہے۔ چونکہ آنحضرتؐ کے تمام بیٹے بچپن ہی میں وفات پا چکے تھے اِس لئے حضرت علیؓ کی محبت میں آپ اپنے نقصان کی تلافی محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی فاطمہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے نکاح نے اس رشتۂ محبت و مودت پر مُہر ثبت کر دی +

اِنہیں دنوں میں آنحضرتؐ نے لوگوں کے لئے رحمت و رافت کی ایک ایسی مثال قائم کی جس نے اہلِ مکہ پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ ایک عرب نوجوان زید بن حارث ایک دُشمن قبیلے سے بطور قیدی کے لایا گیا۔ اسے حضرت خدیجہؓ کے ایک بھتیجے نے خریدا۔ اور حضرت خدیجہؓ کو تحفۃً دے دیا۔ حضرت خدیجہؓ سے یہ تحفہ آنحضرتؐ کو ملا۔ اور آپ نے اُسے فوراً آزاد کر دیا۔ اگر ایک طرف رحم و کرم صادر ہوا۔ تو دوسری طرف محبت و عقیدت نے اس کا جواب دے دیا۔ چنانچہ اس عرب لڑکے کو آنحضرتؐ سے جدا کر کے اپنے گھر اور قبیلے میں جانے کے لئے خود اس کا باپ بھی آمادہ نہ کر سکا +

[۱] ابن ہشام صفحہ ۱۰۹، ابن الاثیر جلد دوم صفحہ ۳۷، طبری جلد دوم صفحہ ۳۹۶ +

اسی طرح آزمائش و امتحان کے یہ پندرہ سال انسانی مصائب وغم سے واغدار سال دوسروں کی مصیبت اور ہمدردی میں گزرے +

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کا ملک خون میں نہا رہا تھا۔ فرقہ دارانہ جنگوں اور قبائل کی نااتفاقیوں نے اس کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ آپ کے ہموطن جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ فحش اور ناپاک طریقہ ہائے عبادت اور اوہام پرستی کے عادی تھے۔ اور اپنے تمام صحرائی اوصاف کے ساتھ قانون شکن اور ظالم تھے۔ شام کے دو دفعہ کے سفر نے آنحضرتؐ کے سامنے اخلاقی اور معاشری پستی کا ایک ناگفتہ بہ نظارہ پیش کر دیا تھا۔ حریف فرقے ایک دوسرے کے ٹکڑے اُڑا رہے تھے۔ جس مفروضہ خدا کی وہ عبادت کرتے تھے۔ اس کے وجود کو ایک دوسرے سے چھینتے تھے۔ ان جذبات نفرت کو وہ حجاز کی وادیٔ صحرا تک لے آئے۔ اور عرب کے شہروں کو لڑائیوں اور دشمنیوں سے بھر دیا۔ آنحضرتؐ کے سامنے ایک تاریک اور یاس انگیز منظر تھا۔ وہ چند آدمی[1]

[1] چار اشخاص:- زیدؓ، ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور دو اور اشخاص (عبید اللہ اور عثمان) بُت پرستی کو خیرباد کہہ کر کسی سچے دین کی جستجو کر رہے تھے۔ زیدؓ ان سب میں پیش پیش تھے زیدؓ سے آنحضرتؐ کی ملاقات اس وقت ہوئی جب ابھی آپ خدا تعالیٰ سے ہمکلام نہ ہوئے تھے۔ بُت پرستی سے متنفر دیکھ کر آنحضرتؐ کے دل میں زیدؓ کی عزت بہت بڑھ گئی۔ کچھ مدت کے بعد جب زیدؓ کے بھتیجے نے اُن کے لئے دعائے رحمت کرنے کی استدعا کی تو آنحضرتؐ جنہوں نے اپنے دادا کیلئے دعا نہ کی تھی۔ اور وہ بُت پرستی ہی میں فوت ہوئے تھے۔ نہایت خوشی سے زید کے لئے دعا مانگی +

جو اپنے پرانے عقاید کو چھوڑ کر اس خوفناک تاریکی میں کسی پرامن جگہ کے لئے بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ایک عالمگیر بے اطمینانی کی نمایندگی کر رہے تھے۔ ان کے پاس اپنی ذات کے سوا انسانیت کو پیش کرنے کے لئے کچھ نہ تھا۔ لیکن آنحضرتؐ کی رُوح آسمان کی رفعتوں کی سیر میں مصروف تھی۔ وہ تمام کائنات کے، حیات و موت، کے نیکی اور بدی کے اسرار کو دیکھ رہی تھی۔ اور اس ہیولیٰ میں ایک ضابطہ اور قانون معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اور وہ الفاظ جو خدا نے آپ سے کہہ دیئے تھے۔ دنیا کے لئے ایک زندگی بخش طاقت کی صُورت میں جلوہ گر ہوئے۔ نکاح کے بعد کئی سال تک آپ کا یہ معمول رہا کہ بعض اوقات مع اہل و عیال اور بعض اوقات اکیلے کوہِ حرا پر ایک غار میں چلے جاتے[۱]۔ حرا ایک بنجر کا ٹیلہ ہے۔ جو پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے سلسلے سے کٹا ہوا صحرا کے تمازت خیز آفتاب کے سامنے اکیلا کھڑا ہے۔ یہاں کسی درخت، پھول یا چشمہ کا نشان تک نہیں حقیقت میں تنہائی آپ کو بہت مرغوب ہو گئی تھی۔ اس غار میں آپ بعض اوقات تمام تمام رات گہرے خیالات میں غرق اپنے اَن دیکھے لیکن محیطِ کُل، ربّ کائنات کے حضور میں حاضر رہتے۔ آہستہ آہستہ زمین و آسمان ایک جاودانی الہام اور حکم سے بھر گئے۔

[۱] اب کوہ نور کہلاتی ہے۔ ابن ہشام، ابن الاثیر اور ابوالفدا کہتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ اکثر ماہِ رمضان غارِ حرا میں عبادت میں گذارا کرتے تھے۔ اور غریبوں کی امداد اور مسافرانِ صحرا کی دستگیری میں صرف کیا کرتے تھے۔ لیکن طبری ماہ رجب لکھتا ہے +

ایک آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ یہاں تک کہ آپ کے اردگرد کی بےجان چیزیں پتھر، ٹیلے اور درخت بھی آپ کو اس کام کی انجام دہی کے لئے پکارنے لگے۔ جو ایک قادر مطلق طاقت آپ کو تفویض کر رہی تھی۔[۵] کیا رُوح کی شعریت اس سے بڑھ کر ہو سکتی ہے؟ الہامات اور فرشتوں کی شکلیں اِن لمحات میں روشن ہوتی جاتیں اس وقت آپ پر وہ حقائق ظاہر ہوتے جن سے آپ دنیا کے تنِ مردہ کو زندہ کرنے والے تھے۔ دنیا کی عظیم الشان ہستیوں نے اکثر اندھیرے میں اور ہستی کے سنگلاخ راستوں میں ان غیر محسوس اور غیر مرئی اثرات کو محسوس کیا ہے جنھوں نے بنی نوع انسان کو عظیم الشان برکات سے مالا مال کر دیا۔ روزِ ازل کے اُس قدیم امانتدار اسمٰعیلؑ سے لے کر جس کا روشن اور پُرجلال چہرہ اُفقِ ماضی کی تاریکیوں میں سے بھی صاف نظر آرہا ہے، مسیحؑ تک جو ملک کے ویرانوں میں اپنی قوم کی سیاہ بختی اور اپنے کام کی عظمت پر تفکر کرتا ہؤا اپنے خدا کے شیریں الفاظ سنتا تھا۔ اور پھر مسیحؑ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک غارِ حرا کی تنہائیوں میں ان اثرات کے تسلسل میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہؤا۔ رات کی پُرسکون گھڑیوں میں، صبح صادق کی شیریں خاموشیوں میں جبکہ کوئی ہمدرد انسان پاس نہیں، تنہائی کی گہرائیوں میں سے آپ کو ایک آسمانی آواز آتی۔ اس طرح جیسے نسیمِ صُبح کا ہلکا سا جھونکا چلے۔ "تو ہی وہ انسان ہے، تو ہی خدا کا پیغمبر ہے" یا جب آپ اپنے خیالات میں ڈوبے ہوئے

[۵] ابن ہشام ص۱۵۱۔

ہوتے تو ایک زبردست آواز گونج اُٹھتی۔" اپنے رب کے نام سے پڑھ"۔ مصروف و منہمک قلب ایسے اوقات میں ایک تصویر آنکھوں کے سامنے قائم کر دیتا ہے۔ ان متبرک ہستیوں کی تصویر جو رب السماوات کے پیغامات زمین پر انسان تک پہنچاتی ہیں۔" خدا تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو منتخب کرلیتا ہے اور ان سے رعد کی کڑک سے بھی بلند آواز میں خطاب کرتا ہے۔ یہ وُہی اندرونی آواز ہے جس کے ذریعہ سے خدا ہم سب سے مخاطب ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ آواز بہت مدھم ہو اور ہمیں مشکل سے سنائی دے۔ یا اس کا الٰہی لہجہ تبدیل ہو جائے۔ اور ہمارے دل میں یہ دنیاوی دانش بن کر داخل ہو۔ لیکن یہی آواز باوقاتِ مختلف اپنی پوری الوہیت کے ساتھ خدا کے منتخب لوگوں تک پہنچی ہے۔ اور ان کے کانوں میں آسمانی آواز کی طرح گونجی ہے"۔[1]

ہستی باری تعالٰے کی نسبت آنحضرتؐ کے اُس وسیع تصور کا تعلق اپنے عہد کی عام فضا سے تنہا توضیح ہے۔ اُس زہد و تقویٰ اور استقلال کی جس سے اس قدر حاوی کُل الہامات ظاہر ہوئے۔ یہ صرف اتفاقی امر نہیں ہے کہ کائنات کی ایک عظیم الشان قوّت ایک ایسے صحرا کی تنہائیوں سے ظاہر ہوئی جس کے آس پاس عظیم الشان سلطنتوں کا ایک دریا موجیں مار رہا تھا۔ دُنیا میں خاص الخاص پیغمبرانہ دعووں کی آواز ہمیشہ صحرا ہی سے بلند ہوئی ہے۔ عرب اس وقت

---

[1] پروفیسر مُلر +

ایک فردِ واحد تھا۔ اور پیغمبرِ اسلام اس کی مرکوز آواز۔ اپنے اس عالی نسب فرزند پر جو کسی پُراسرار طاقت سے مجبور ہو کر تاروں بھری راتوں میں تنہائی ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ صحرا اپنے تمام اسرار کھول دیتا۔[1]

ایک رات، وہ شرف و بزرگی کی رات[2]، کہ اب اس میں خدا کی امن و سلامتی تمام کائنات پر چھا جاتی ہے۔ اور تمام مخلوق اپنے خالق کی طرف رجوع ہوتی ہے آدھی گذر چکی تھی کہ اس آبحیات[3] کا پیالہ پیاسے ہونٹوں سے لگا دیا گیا۔ آپ اپنے خیالات میں گم لیٹے ہوئے تھے کہ ایک آواز نے ایسی آواز جیسے کسی مہیب سمندر کی موجوں سے پیدا ہوتی ہے۔ آپ کو پکارا اور پڑھنے کو کہا۔ دو مرتبہ آواز آئی لیکن آپ نے توجہ نہ کی۔ لیکن اب ایک خوفناک بوجھ نے آپ کو دبا لیا۔ اور جواب دینے پر مجبور کیا۔ "پڑھ!" آواز نے پکار کر کہا "میں کیا پڑھوں" جواب آیا۔ "اپنے رب کے نام سے پڑھ!"

جب آواز بتا چکی۔ کہ کس طرح ایک ناچیز ابتدا سے انسان کو ہستی میں لایا گیا۔ اور عقل اور علم دے کر کس طرح اس مہربان خدا نے اسے بلند کیا۔ اُسے قلم سے وہ کچھ بتایا۔ جس کا اسے علم نہیں تھا۔ تو آنحضرتؐ اس عالم سے بیدار ہوئے۔ اور ایسا محسوس کیا جیسے وہ الفاظ جو آپ کی رُوح سے کہے گئے تھے۔ آپ کے دل پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔ آپ کے جسم پر کپکپی سی چھا گئی۔

---

[1] جانسن "مذاہب مشرق"، ص۵۶ + [2] لیلۃ القدر + [3] قرآن حکیم +

آپ جلدی سے گھر گئے - اور بیوی سے کہا۔" خدیجہؓ! مجھے کیا ہو گیا ہے "۔ آپ لیٹ گئے اور وہ آپ کی طرف دیکھتی رہیں۔ جب آپ کو ہوش آیا - تو آپ نے فرمایا۔" خدیجہ! وہ شخص جس کے متعلق کوئی یقین نہیں کر سکتا (یعنی آپ) یا تو کاہن ہو گیا ہے یا اس کو جنون کا دورہ ہوا ہے "۔ خدیجہؓ نے کہا "خدا محفوظ رکھے - اے ابُو القاسم! وہ یقیناً آپ کو اندوہگین نہ کریگا۔ کیونکہ آپ سچ بولتے ہیں۔ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے۔ آپ ایماندار ہیں۔ آپ کی زندگی نیکیوں میں بسر ہوئی ہے - اور آپ اقربا اور دوستوں پر مہربانیاں کرتے ہیں - آپ بازاروں میں بیہُودہ گفتگو کبھی نہیں کرتے۔ آپ کو کیا ہوا ہے۔ کیا آپ نے کوئی خوفناک بات دیکھی ہے ؟" آنحضرتؐ نے فرمایا!" ہاں!" اور جو کچھ آپ نے دیکھا تھا۔ سب سُنا دیا۔ جس پر خدیجہؓ نے کہا۔ "خوش ہو جائیے - اور طبیعت کو سنبھالیئے۔ وہ خدا جس کے ہاتھ میں خدیجہؓ کی جان ہے - میرا گواہ ہے کہ آپ اس زمانہ کے پیغمبر ہیں "۔ پھر وہ اُٹھیں اور اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو بُوڑھے اور نابینا تھے اور یہود و نصاریٰ کی کتب مقدسہ کے عالم تھے ۔ جب خدیجہؓ نے انہیں تمام واقعہ سُنایا تو وہ پکار اُٹھے ۔" قدُوس، قدُوس - پاک ہے، پاک ہے - یقیناً یہی ناموس الاکبر ہے - جو موسیٰؑ پر اُترا - محمدؐ اس زمانہ کا پیغمبر ہوگا - اسے بتا دو اور کہدو کہ دل مضبوط رکھے "۔

سلطنتوں اور قوموں کی تباہی اور خاندانوں اور قبائل کے وحشیانہ شوروفساد کے درمیان ایک آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک کہ خدا کا پیغام ظاہر ہونے والا ہے۔ وہ گڈریا قریب پہنچ چکا ہے جو گلے کی بھولی بھٹکی بھیڑوں کو مالک کی آغوش میں لا ڈالیگا یہی آواز ورقہ کا دل بھی سُن چکا تھا۔ اور جب کچھ عرصے کے بعد یہ دونوں بازار میں ایک دوسرے سے ملے تو اس نابینا عالم نے جس نے یہود و نصاریٰ کے تمام صحائف اطمینان کی جستجو میں بے فائدہ چھان مارے تھے۔ لیکن جو اس وعدہ کو جانتا تھا جو بنی نوع انسان کے ساتھ ایک نجات دہندہ کے لئے کیا گیا تھا۔ اپنے ایمان کو اس طرح ظاہر کیا "مَیں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں ورقہ کی جان ہے۔ خدا نے تمہیں ان لوگوں میں سے پیغمبری کے لئے چُن لیا ہے۔ تم پر ناموس الاکبر نازل ہُوا ہے۔ لوگ تمہیں جھوٹا کہیں گے۔ تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔ تمہیں جلاوطن کریں گے۔ اور تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ کاش! مَیں اس وقت تک زندہ رہتا۔ اور تمہارے لئے جنگ کرتا۔" پھر اُس نے آپ کی پیشانی کو چُوم لیا۔ اِن اُمید افزا کلمات نے آپ کی بیقرار رُوح کو تسکین دی۔ اور کچھ عرصہ تک آپ اس آواز کے سُننے کے لئے پھر ایک بیقرار دل کے ساتھ انتظار فرماتے رہے۔

اُن رُوحانی اذیتوں اور شبہات کا اور اُمید و یاس کی اس دماغی کشمکش کا جو

باری باری سے آپ کے دل کو ایذا دیتے کچھ اندازہ اس امر سے ہوتا ہے۔ کہ اپنی رسالت کا پوری طرح یقین ہونے سے پہلے آپ ہر لحظہ یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے حتیٰ کہ فرشتہ نے آپ کو اس فرض کی طرف متوجہ کیا جو بنی آدم کی طرف سے آپ پر عائد ہوتا تھا۔ اور شبہات وخوف سے دُکھے ہوئے اس دل کو یقین اور اُمید کی ایک جھلک دکھائی اور وہ روشن مستقبل دکھایا۔ جب آپ تمام دنیا کو ایک سچے دین کے گرد جمع ہوتے دیکھنے والے تھے۔ اس بشارت نے آپ کو بچا لیا۔ چنانچہ آپ اپنے ضعیف دل اور ناتواں جسم کے ساتھ صحرا سے بھاگتے ہوئے اپنی جاں نثار بیوی کے پاس پہنچے۔ اور کہنے لگے۔ "مجھے چھپا لو، مجھے چھپا لو"

آپ کا خدا کے ساتھ تعلق ان خود غرض لوگوں کی طرح نہ تھا۔ جو اپنے آپ کو صحراؤں اور جنگلوں میں چھپاتے پھرتے ہیں۔ اور صرف اپنے نفس کے لئے گوشہ نشینی اور امن کی زندگی اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کے سامنے ایک عظیم الشان مہم تھی۔ آپ بنی نوع انسان کو بُت پرستی کی زنجیروں سے آزاد کرنے والے تھے۔ ایک دن جب آپ محویت کے عالم میں اُداس اور غمگین بیٹھے ہوئے تھے تو آپ کو آسمان سے ایک آواز نے پکارا۔ اسی طرح جس طرح آپ سے پہلے لوگوں کو پکارا گیا تھا۔ "اے (پیغمبر جو وحی کی ہیبت سے چادر لپیٹے ہوئے پڑے ہو) اُٹھو! اور لوگوں کو (عذابِ خدا

سے) ڈرائیے۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائیاں بیان کرو۔" آپ اُٹھے۔ اور اس کام کے لئے کمر باندھ لی۔ جس کے لئے آپ کو بُلایا گیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ کی زندگی کا ہر لمحہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو گیا آپ نہایت ثابت قدمی سے ایذائیں سہتے رہے۔ تحقیر و توہین کے ستم اُٹھاتے رہے۔ مگر اصلاح و درستی کے راستے سے ایک قدم نہ ہٹے۔ خدیجہؓ سب سے پہلی ہستی ہیں۔ جنھوں نے آپ کا پیغام قبول کیا۔ بُت پرستی کو چھوڑا اور آپؐ کے ساتھ شامل ہو کر رحمٰن و رحیم خدا کے حضور میں سجدہ ریز ہوئیں۔ خدیجہؓ نہ صرف آپ پر اور آپ کے ایزدی پیغام پر ایمان لانے والی بلکہ آئندہ جد و جہد میں آپؐ کی سچی دمساز تھیں۔ اور روایت آتی ہے "جب آپ دل شکستہ ہو کر گھر آتے تو خدا انہیں کے ذریعے آپ کو تسلی دیتا۔ وہ آپ کی ہمت بندھاتیں آپ کے بوجھ کو آپ کے لئے ہلکا کر دیتیں۔ آپ کو اپنے ایمان کا یقین دلاتیں اور بتاتیں کہ لوگوں کی بیہودہ باتیں کس قدر بے وقعت ہیں"

حضورؐ شروع شروع میں صرف اپنے اقربا پر اپنے خیالات ظاہر کرتے رہے۔ اور اُنہیں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ خدیجہؓ کے بعد علیؓ آپ کے پیرو ہوئے۔ آنحضرتؐ اکثر خدیجہؓ اور علیؓ کو لے کر دُور صحرا کی خاموشیوں میں چلے جاتے تاکہ سب مل کر رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے لئے اپنے دلی جذباتِ تشکر پیش کریں۔ ایک دفعہ جبکہ

یہ تینوں نماز میں مشغول تھے۔ ابُوطالب اچانک آنکلے اور کہا "اے بھتیجے! یہ کونسا مذہب ہے جس کی تم پیروی کرتے ہو؟" آنحضرتؐ نے جواب دیا۔ "یہ اللہ کا، اُس کے فرشتوں کا، اس کے پیغمبروں کا، اور ہمارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب ہے۔ خدا نے مجھے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے۔ تاکہ میں اُن کو صراطِ مستقیم دکھاؤں۔ اور آپ اے چچا ان میں سے قابل ترین ہستی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ میں آپ کو یہ پیغام پہنچا دُوں۔ اور یہ ضروری ہے کہ آپ سچائی کو قبول کریں۔ اور اس کے پھیلانے میں مدد دیں۔ ابوطالب نے ایک قوی اور مضبوط قدیم سامی کے حقیقی جوش کے ساتھ جواب دیا۔ "میرے بھتیجے! میں اپنے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن قسم ہے خدائے تعالےٰ کی جب تک میں زندہ ہوں کوئی شخص تجھے دُکھ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" پھر اپنے بیٹے علیؓ سے مخاطب ہو کر اسی معزز رئیس خاندان نے پُوچھا کہ وہ کس مذہب میں ہے؟ اُنھوں نے فرمایا "میرے باپ! میں خدا پر اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لے آیا ہوں۔ اور اسی کی پیروی کرتا ہوں۔" ابُوطالب نے کہا "میرے بیٹے! وہ تجھے کسی طرف نہیں بُلائے گا۔ مگر نیکی کی طرف۔ اس لئے تم اس کی پیروی کرنے کے لئے آزاد ہو۔"

اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد زید بن حارث ایمان لائے۔ جنہوں نے باوجود آزاد ہو جانے کے آنحضرتؐ کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ اور اُن کے بعد

ایک معزز قریشی عبداللہ بن ابو قحافہ جو بعد میں ابو بکرؓ کے نام سے مشہور ہے آپ قبیلہ تیم ابن مرّہ کے ایک ممتاز فرد اور دولتمند تاجر تھے۔ آپ نہایت معقول پسند، متین، دانا، ایماندار اور ہر دلعزیز انسان تھے۔ اور اپنے ہمعصروں میں بہت عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ رسُول اللہؐ سے صرف دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کے بلا تامل ایمان لانے سے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ پانچ اور معززین نے آپ کی پیروی کی۔ قبیلہ بنی اُمیہ میں سے عثمان بن عفّان جو بعد میں خلیفہ سوم ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص جن کے ہاتھوں ایران فتح ہُوا۔ اور زبیر بن عوام خدیجہؓ کے بھتیجے نے رسول اللہ کے پاس حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔ اور پھر طبقہ ادنےٰ کے کئی افراد داخل اسلام ہوئے۔ تاریخ رسُول عربیؐ میں یہ ایک زرّین باب ہے۔ ایسا باب جو آپ کی صداقت شعاری، آپ کی تعلیمات کی بدرجہ غایت پاکیزگی اور خدائے تعالیٰ پر آپ کے غیر معمولی ایمان ویقین پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سب سے پہلے آپ کی رسالت کی حقانیت کو قبول کرنے والے اور وحی والہام پر یقین کرنے والے قریبی رشتہ دار اور گہرے دوست تھے۔ وہ لوگ جو ہر وقت آپ کے پاس رہتے تھے۔ آپ کی زندگی کے ایک ایک لمحے سے واقف تھے وُہی آپ کے صادق اور وفادار ترین پیرو تھے۔ اگر ان لوگوں کے جو بہادر اور عاقل تھے۔ اور جو یقیناً گلیل کے ماہی گیروں سے زیادہ تعلیم یافتہ

تھے۔ نفسانیت یا دھوکے کا شائبہ تک نظر آ جاتا یا اگر وہ رسُول اللہ کے ایمان کو ذرا بھی کمزور پاتے تو ایک لمحے میں آپ کی تمام اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات کی اُمیدوں کو خاک میں ملا دیتے۔ ان لوگوں نے آپ کے لئے ظلم و جور سہے۔ اپنے آپ کو خطروں میں ڈالا۔ جسمانی اذیتیں برداشت کیں۔ اور معاشرتی تعلقات کے انقطاع کی تکالیف اُٹھائیں۔ یہاں تک کہ اپنی جانیں قربان کر دیں +

تین طویل سالوں کے عرصہ تک آپ اپنی قوم کو بُت پرستی سے باز رکھنے کے لئے نہایت خاموشی سے مصروف رہے۔ لیکن بُت پرستی کی جڑیں نہایت گہری گڑی ہوئی تھیں۔ اور پُرانے مذہب میں جو دلکشیاں اُن کے پیش نظر تھیں وہ نئے پاکیزہ مذہب میں کہیں نظر نہ آتی تھیں۔ پُرانا طریق عبادت قریش کے لئے فائدہ مند تھا۔ اور ان کی شہرت و عزت کا تمام تر انحصار اسے قائم رکھنے پر تھا۔ رسولؐ اللہ کو نہ صرف جمہور کی بُت پرستی سے مقابلہ کرنا پڑا جو صدیوں سے رسم و رواج اور توہم میں مبتلا چلا آتا تھا۔ بلکہ ان اُمراءِ حکومت سے بھی جو شہر کی قسمتوں کے مالک تھے اور جو اپنی رعایا کی طرح کفر اور توہم پرستی میں مُبتلا تھے برسرِ آنا پڑا۔ ان متخاصم قوّتوں کی موجودگی میں حیرانی کی بات نہیں ہے کہ یہ جانبازانہ کوششیں صرف تیس ۳۰ پیرو بنا سکیں۔ لیکن اس عظیمُ الشّان مُعلّم نے ہمّت نہ ہاری۔ اور اپنے قادرِ مطلق آقا پر بھروسہ کئے

ہوئے جس کے احکام کی تعمیل وہ کر رہا تھا۔ اپنی جگہ پر پختگی سے کھڑا رہا۔
اب تک رسولؐ اللہ نہایت خاموشی سے اور بلا اصرار تبلیغ کرتے تھے۔ آپ
کے ہمعصر حیرانی سے آپ کی طرف دیکھتے تھے۔ اب اُنہیں "الامین" کی
صحت عقل پر شُبہ ہونے لگا تھا۔ وہ آپ کو خبطی اور مجنون سمجھنے لگے تھے۔
لیکن ابھی کسی نے آپ کی تبلیغ میں رکاوٹ نہ ڈالی تھی۔ اب آنحضرتؐ نے
تہیہ کر لیا کہ آپ قریش کو بُت پرستی چھوڑنے کے لئے ایک دعوت عمومی
دیں گے۔ اسی خیال سے آپ نے کوہ صفا پر ایک مجمع کو بُلایا۔ اُنہیں اپنے
گناہوں کی طرف توجہ دلائی۔ اور اُنہیں بتایا کہ ہاتھ کے بنائے ہوئے بُتوں
کو پُوجنا کیسی غلطی ہے۔ اُنہیں اُن قوموں کے عبرتناک حالات سُنائے جنہوں
نے اپنے رسُولوں کی بات نہ سُنی تھی۔ اُنہیں اپنی قدیم ناپاک عبادت چھوڑنے
اور اس محبت، پاکیزگی اور صداقت کے مذہب کو قبول کرنے کی دعوت دی۔
لیکن تمسخر اُڑانے والوں نے آپ کے الفاظ کا تمسخر اُڑایا۔ نوجوان علیؓ کے
جوش کو دیکھ کر ہنسے اور تضحیک و مُلامت کرتے ہوئے چل دیئے۔ مگر تاہم
اس انقلاب آفرین رُوح کے خوف سے جو اُنہیں کے درمیان سے اُٹھ کھڑی
ہوئی تھی۔ اُن کے دل لرز رہے تھے۔ اس طرح آپ آسمانی تنبیہ کو قریش تک
پہنچانے میں ناکام رہے۔ اب آپ نے اپنی توجہ اُن نو واردوں کی طرف
منعطف کی جو مکہ میں تجارت یا حج کی غرض سے آتے تھے۔ اور خدا کا پیغام اُن

تک پہنچانے کی کوشش کی لیکن یہاں بھی قریش نے آپ کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ جب حجاج شہر میں وارد ہونے شروع ہوئے تو قریش نے مختلف راستوں پر اپنے آدمی متعین کر دیئے۔ جو تمام نوواردوں سے کہہ دیتے کہ محمدؐ سے کوئی کسی قسم کی گفتگو نہ کرے۔ کیونکہ وہ نہایت خطرناک جادوگر ہے۔ لیکن اس سازش کے نتائج قریش کی اُمیدوں کے بالکل خلاف نکلے۔ کیونکہ جب حجاج اور تاجر اپنے گھروں کو واپس گئے تو اس عجیب اور جوشیلے ناصح کی بعثت کی خبر تمام علاقوں میں پھیل گئی جو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر عرب کی تمام قوموں کو اُن کے آباؤ اجداد کی مروجہ عبادت سے منع کر رہا تھا۔

قریش اس زعم میں تھے کہ محمد (صلعم) کو آپ کے اعزّہ و اقربا چھوڑ دیں۔ لیکن ابُوطالب کی ایک غضب ناک ملامت نے اُن کے ہوش بجا کر دیئے۔ یہ معمّر بزرگ جس نے مخصوص ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنے قدیم مذہب کو چھوڑنے اور نئے کو اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس مُصلح کے متعلق اپنے ہمعصروں کی بے انصافی اور تعصّب کو دیکھ کر تڑپ اُٹھا۔ اور سچی صحرائی دلیری سے کام لے کر ایک قصیدہ لکھا جو ابھی تک تاریخ میں محفوظ چلا آتا ہے۔ اس میں قریش کو ان زیادتیوں پر ملامت کی جو وہ اُس شخص پر کرتے ہیں۔ جو یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتا ہے۔ الامین جو کبھی اپنے قول و فعل میں جھوٹا نہیں نکلا۔ اور آخر میں اعلان کیا کہ ہاشم اور مُطلب کی اولاد کا بچّہ بچّہ اس

معصوم کی حفاظت پر اپنی جان قربان کر دیگا۔ انہیں دنوں میں ایک یثربی رئیس
نے قریش کی طرف ایک خط لکھا اور ازمنۂ گذشتہ کی مثالیں دے کر سمجھایا۔ کہ
وہ خانگی جھگڑوں اور لڑائیوں میں پڑ کر اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالیں۔
انہیں مشورہ دیا کہ وہ اس نئے مُبلّغ کی باتیں سنیں۔ ایک معزز آدمی نے ایک
خاص مذہب اختیار کیا ہے۔ تم کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہو؟ بھلا سوائے
اُس علّام الغیوب کے کون انسان کے دل کی بات جان سکتا ہے۔" اس کے
مشورے نے قریش پر کچھ اثر ضرور کیا۔ اور ان کا طرزِ عمل کچھ تبدیل ہو گیا لیکن
کچھ مدت کے بعد الزام و تذلیل اور گستاخیوں اور معمولی حملوں کی بجائے کُھلم کُھلا
اور جان لیوا حملے ہونے لگے۔ دشمنوں نے آنحضرتؐ کو کعبہ میں نماز ادا کرنے
سے روک دیا۔ اور جہاں بھی آپ جاتے وہاں آپ کا پیچھا کرتے۔ آپ کو اور
آپ کے متبعین کو نماز کی حالت میں کیچڑ اور گندگی سے بھر دیتے۔ بچوں اور شہر
کے اوباشوں کو آپ کی تذلیل کے لئے پیچھے لگا دیتے۔ جن راستوں سے آپ
اکثر گزرتے اُن پر کانٹے بکھیر دیتے۔ ان ظلم و جور کے کاموں میں آنحضرتؐ
کے چچا ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل سب میں پیش پیش ہوتی۔ اور ان ظالموں میں سے
سب سے زیادہ جوش کا اظہار کرتی۔ ہر جگہ جہاں آنحضرتؐ یا آپ کے پیرووں کا اکثر گذر
ہوتا وہ کانٹوں سے بھر دیتی۔ اُس کے اِس خبیثانہ طرزِ عمل کے باعث اُس کے لئے اِیندھن[1]

[1] حمالۃ الحطب۔

اٹھانے والی کا لقب نازل ہوا +

ان تمام آزمائشوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے ثبات کبھی نہ ڈگمگایا۔ اپنی رسالت پر پورے یقین کے ساتھ آپ نہایت استقلال سے اپنا کام کرتے رہے کئی مرتبہ قریش کے ہاتھوں آپ کی جان سخت خطرے میں پڑ گئی۔ ایک دفعہ آپ نے اُن کے قاتلانہ جوش کو صرف اپنی طبیعت کی نرمی اور ضبط و تحمل سے روکا لیکن اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ظلم و جور میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ "شہدا کا خون مذہب کا بیج ہوتا ہے۔" یہ مقولہ کسی خاص مذہب کے لئے مخصوص نہیں ہے محمد صلعم پر قریش کی سختیاں اور تعصب و دشمنی کو دیکھ کر بہادر حمزہ رضؓ بہت متاثر ہوئے آپ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ یہ جانباز بہادر، نیک اور سچا سپاہی جس کی شمشیر خارا شگاف سے تمام قریش لرزتے تھے۔ انہی دنوں میں آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہو کر آپ پر ایمان لایا۔ اور اس وقت سے لے کر اسلام کا سچا رفیق بن گیا۔ اور آئندہ زمانہ میں اس پر اپنی جان قربان کر دی +

اس تمام ظلم و جور کے زمانہ میں آنحضرتؐ اپنی گناہوں میں جکڑی ہوئی قوم کو معصیت و مکروہات سے باز رکھنے میں کبھی نہ رُکے۔ آپ دل و جان سے تبلیغ میں مشغول رہے۔ خدائے تعالیٰ کے عذاب کے متعلق آپ کے الفاظ شعلوں کی طرح نکلتے اور سُننے والوں کے دلوں میں اُتر جاتے۔ آپ انہیں عاد و ثمود کا قصہ سناتے۔ جنہوں نے خدا کے رسولوں کی تنبیہ پر کان نہ دھرا۔ اور اُنہیں

ایک دردناک عذاب نے آلیا۔ اور بتاتے قوم نوحؑ کی بداعمالیوں پر کس طرح غضب الٰہی نازل ہوا۔ آپ انہیں قدرت کے بے نظیر نظاروں، دوپہر کی چمک کی، رات کی جب وہ اپنا سیاہ پردہ پھیلا دیتی ہے۔ اور دن کی جب وہ اپنے شکوہ وجلال کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے قسمیں دیتے اور کہتے کہ خدا کا پیغام سنو۔ قبل اس کے کہ تمہیں ویسا ہی کوئی عذاب نازل ہو کر فنا کر ڈالے۔ آپ انہیں یوم الحساب سے ڈراتے۔ جب انسان کے اعمال اس ازلی منصف کے رُوبرو وزن کیئے جائیں گے۔ جب ان بچوں کی نسبت جو زندہ دفن کیئے گئے تھے پُوچھا جائے گا۔ کہ انہیں کس جُرم کی پاداش میں مارا گیا۔ اور زمین و آسمان کو لپیٹ لیا جائے گا۔ اور خدا کے سوا کوئی نزدیک نہ ہو گا۔ آپ عقبیٰ کی جزا وسزا کا بیان کرتے۔ اور ان مادہ پرست لوگوں کے سامنے بہشت کی مسرتوں اور دوزخ کی عقوبتوں کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے۔ آپ انہیں بتاتے کہ منکرین کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیری رات میں ایک مجمع کے درمیان آگ جلائے اور جب ان کے اردگرد کی تمام چیزیں چمک اُٹھیں تو خدا روشنی کو سلب کرلے اور انہیں اندھیرے میں چھوڑ دے پھر وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے ۔

"وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں اور کسی طرح راہ راست پر نہیں آ سکتے۔" "یا وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جنہیں تاریک بادلوں کا ایک ہیبت ناک طوفان آگھیرے وہ موت کے خوف سے رعد کی کڑک سُن کر اپنے کانوں میں

انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں لیکن کفار خدا کی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتے۔"

"بجلی ان کی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔ جب وہ چمکتی ہے تو اُس کی روشنی میں چلتے ہیں اور تاریکی چھا جاتی ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو یقیناً اُن کو شنوائی اور بینائی سے محروم کر سکتا ہے۔ بے شک اللہ ہر بات پر قادر ہے۔" ؎۱

کفار کے اعمال سراب کی طرح ہیں۔ جسے پیاسا (مسافر دُور سے) پانی سمجھتا ہے اور جب قریب آتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ لیکن وہ خدا کو ہر سمت موجود پاتا ہے۔ اور وہ اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دینے والا ہے۔ اور بے شک خدا بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔"

"یا (کفار کے اعمال) اس تاریکی کی طرح ہیں۔ جو عمیق سمندر پر پھیلی ہوئی ہو۔ موجوں پر موجیں سوار چلی جاتی ہوں۔ اور اُن پر تاریک بادل تہ بر تہ چھائے ہوئے ہوں۔ ایسی تاریکی کہ اگر انسان ہاتھ پھیلائے تو اُسے نہ دیکھ سکے۔ جسے اللہ نور (ہدایت) عطا نہ کرے۔ اُسے کون نور عطا کر سکتا ہے" ؎۲

ان بیانات نے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا اور بہت سے مسلمان ہو گئے۔ قریش کو اندیشہ ہوا کہ آنحضرتؐ کی تبلیغ ایک خطرناک انقلاب کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ اُن کی عظمت و شہرت خطرہ میں تھی۔ وہ ان بتوں کے محافظ تھے۔

؎۱ القرآن سورۂ بقر۔ ؎۲ سورۂ نور۔

جنہیں آپ فنا کر دینا چاہتے تھے۔ وہ اس عبادت کے علم بردار تھے ۔ جسے آنحضرتؐ بُرا کہتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کی اپنی ہستی پُرانے ضابطہ کے قائم رکھنے پر منحصر تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر آنحضرتؐ کی پیشینگوئیاں پُوری ہوگئیں۔ تو قبائل عرب میں اُن کا تفوق مٹ جائے گا۔ نئے رسُولؐ کا طرزِ عمل بدرجۂ غایت جمہوری تھا۔ اس کے خدا کی نظروں میں تمام انسان برابر تھے! اِن شخصی امتیازات کا مٹ جانا ان کی روایات کے منافی تھا۔ وہ مساوات کو برداشت نہ کرسکتے تھے۔ کیونکہ یہ ان کو امتیازی حقوق سے محروم کرنے والی تھی۔ اِس سے پہلے کہ یہ تحریک زیادہ زور پکڑ جائے اُسے کچلنے کے لئے سخت تر وسائل اختیار کرنے کی ضرورت تھی +

اب اُنہوں نے ایذا رسانی کا ایک منظم طریقہ اختیار کیا۔ ہر قبیلے نے اپنے حلقۂ اثر کے اندر نئے مذہب کو کچلنا شروع کیا۔ تاکہ قانونِ انتقام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔ ہر گھرانہ اپنے اُن افرادِ خاندان، ملازمین یا غلاموں کو اذیّت دیتا جن کے متعلق مسلمان ہو جانے کا خیال ہوتا۔ آنحضرتؐ (جنہیں ابُوطالب کی حمایت حاصل تھی) حضرت ابوبکرؓ اور چند دوسرے مسلمان جو یا تو خود بلند مرتبہ تھے یا کسی معزز قریش کی حمایت میں تھے۔ دُشمنوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رہے۔ لیکن دوسروں کو قید، فاقہ کشی اور جسمانی سزاؤں کی آماجگاہ بنایا گیا۔ رمضا کی پہاڑی اور بطحا وہ عقوبت زار تھے جہاں یہ ظالمانہ کارروائیاں

عمل میں آتی تھیں۔ وہ مرد یا عورتیں جو بُت پرستی ترک کر دیتے۔ صحرا کی جلا دینے والی گرمی میں جھُلستی ہوئی ریت پر ڈال دیئے جاتے۔ جب وہ پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو جاتے تو انہیں بُت پرستی یا موت پیش کی جاتی۔ بعض آدمی ان عقوبتوں سے بچنے کے لئے اقرار کر لیتے۔ لیکن پھر فوراً ہی جاکر اپنے دین کی تجدید کر لیتے۔ لیکن ان میں اکثر و بیشتر وہ لوگ تھے جو نہایت استقلال سے اپنی بات پر قائم رہتے۔ انہیں لوگوں میں اسلام کے پہلے مؤذن بلالؓ تھے۔ ان کا مالک اُمیّہ بن خلف ہر روز انہیں دوپہر کے وقت بطحا میں لے جاتا۔ ننگی پیٹھ پر انہیں سورج کی طرف مُنہ کر کے لٹا دیتا۔ اور سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ کر کہتا۔ "تم اسی حال میں رہو گے جب تک تمہاری جان نہ نکل جائے یا تم اسلام سے توبہ نہ کرو"۔ لیکن بلالؓ جو اس بھاری بوجھ کے نیچے نیم جان پڑے ہوئے اپنے پیاسے اور خشک ہونٹوں سے احدٌ احدٌ کے سوا کوئی جواب نہ دیتے۔ کئی روز تک یہی عمل ہوتا رہا۔ اور یہ مظلوم موت کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید لیا۔ آپ اس سے قبل بھی ایسے چھ غلام آزاد کرا چکے تھے۔ یاسر اور اُن کی بیوی سُمیّہ کو ایسے ہی دردناک عذابوں سے مار ڈالا گیا۔ اور ان کے بیٹے عمار کو نہایت خوفناک ایذائیں دی گئیں۔ آنحضرتؐ نے اکثر اپنے مُتبعین کی ان تکالیف کا عینی مشاہدہ کیا۔ تکالیف جو ایسے صبر و تحمل سے برداشت کی گئیں۔ جو اِن سچائی کے راستے میں شہید ہونے والوں کو زیب دیتا

تھا۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ ان شُہدا کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔ ؎۱

قریش اکثر آنحضرتؐ کے پاس جاہ و حشمت کی تحریص لے کر انہیں جادۂ فرض سے بھٹکانے کے لئے آتے۔ مؤرخ لکھتا ہے۔ کہ ایک دن آپ کعبہ میں مخالف رؤسا کے گروہ سے الگ بیٹھے ہوئے تھے کہ اُن میں سے ایک آدمی عقبہ بن ربیعہ آپ کے پاس آیا۔ اور کہا "اے میرے بھائی کے بیٹے! تو ہم میں اپنے حسب و نسب اور خوبیوں کی وجہ سے ممتاز ہے۔ لیکن اب تُو نے ہمارے درمیان افتراق کا بیج بو دیا ہے۔ ہمارے گھروں میں ناچاقیاں پیدا کر دی ہیں۔ تو ہمارے دیوتاؤں اور دیویوں کو بُرا کہتا ہے۔ اور ہمارے آباؤ اجداد کو ناپاکی کا الزام دیتا ہے۔ ہم تیرے سامنے ایک تجویز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تُو اس کو قبول کرے تو اس میں تیری ہی بھلائی ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہو۔ "اے ابُو ولید! میں سُن رہا ہوں۔" عقبہ نے کہا "اگر تُو اپنے اِس طرزِ عمل سے دولت پیدا کرنا چاہتا ہے تو ہم تجھے اِتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنی نہ ہوگی۔ اگر تو شوکت و حشمت کا طلبگار ہے تو ہم تجھے

؎۱ خبیبؓ بن عدی جنہیں دھوکے سے قابو کر کے قریش کے پاس فروخت کیا گیا تھا اُنکے جسم سے بحالتِ زندگی نہایت وحشیانہ طریق پر گوشت کے ٹکڑے کاٹے جا رہے تھے کہ کسی شخص نے کہا خبیبؓ! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری بجائے محمدؐ کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے۔ آپ نے جواب دیا "میں مال و دولت اور بیوی بچوں میں اِس شرط پر بھی جانا پسند نہیں کرتا۔ کہ محمدؐ کو ایک کانٹا بھی چبھو یا جائے"

اپنا سردار بنانے کو تیار ہیں۔ اور تیرے حکم کے بغیر کوئی بات نہ کریں گے۔ اگر تو مملکت کا خواہشمند ہے تو ہم تجھے اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ اور اگر تجھ پر کسی سایہ کا اثر ہے تو ہم قابل ترین حکما کو بلائیں گے۔ اور انہیں اُس وقت تک مال و دولت دیتے رہیں گے جب تک وہ تجھے پوری طرح صحت یاب نہ کر دیں" اور جب وہ چپ ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا "اے ابُو ولید! کیا تم اپنی بات ختم کر چکے"؟ اُس نے کہا "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا تو سنو "مَیں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ یہ کتاب خدائے رحمٰن نے نازل فرمائی ہے۔ اس کی آیات عربی میں ہیں جو صاف طور پر تمہاری سمجھ میں آسکتی ہیں۔ اس میں اُن لوگوں کے لئے ہدایات ہیں جو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس میں بشارتیں ہیں اور عذاب کے وعید ہیں۔ لیکن لوگوں میں سے اکثر مُنہ پھیر لیتے ہیں اور اس پر کان نہیں دھرتے۔ اور کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے۔ وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی، ہمارے کان بہرے ہیں۔ اور تیرے اور ہمارے درمیان ایک پردہ ہے۔ اس لئے جیسا تو بہتر سمجھتا ہے ویسا ہی کئے جا، اور ہم اپنے ہی خیالات کے مطابق عمل کریں گے۔ لیکن مَیں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں مگر مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف وہی ایک خدا ہے۔ اس لئے سیدھے اس کی طرف چلے جاؤ۔ اور اس سے اپنے گذشتہ افعال کی معافی مانگو۔ اور افسوس ہے مُشرکوں پر جو خیرات نہیں دیتے اور عقبیٰ پر ایمان نہیں رکھتے۔

البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ اُن کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ جو کبھی ختم نہ ہوگا"۔ لہ جب آپ ختم کر چکے تو فرمایا۔ اے عتبہ! "تم سُن چکے، اب جو راستہ تمہیں بہتر معلوم ہوتا ہے وہ اختیار کر لو"۔

آپ کو اپنے مُتبعین کی تکالیف دیکھ دیکھ کر بہت صدمہ ہوتا جو وقت کے ساتھ ساتھ سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھیں۔ اِس لئے آپ نے ان کو ہدایت کی کہ وہ حبشہ کی ایک عیسائی سلطنت میں جہاں ایک نیک دل بادشاہ حکومت کرتا تھا اس وقت تک پناہ لیں جب تک کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قریش کے خیالات کو تبدیل نہ کر دے۔ آپ نے سُنا تھا کہ یہ منصف مزاج عیسائی حکمران نہایت بے تعصب اور مہمان نواز ہے۔ آپ کو اُمید تھی۔ کہ وہ یقیناً آپ کے پیرووں سے مدارات سے پیش آئے گا۔

اِس تجویز پر فوراً عمل کیا گیا۔ اور تقریباً پندرہ آدمی نجاشی کے ملک کو ہجرت کر گئے۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلی ہجرت کہلاتی ہے۔ جو بعثت نبوّت کے پانچویں سال ۶۱۵ء میں عمل میں آئی۔ وقتاً فوقتاً اُن کے دوسرے مظلوم بھائی بھی اُن سے جا ملے۔ یہاں تک کہ کل تعداد ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتوں تک پہنچ گئی۔ لیکن قریش کی عداوت و خصومت نے یہاں بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ اپنے شکار کے ہاتھوں سے نکل جانے پر غضبناک ہو گئے۔ اور ایک وفد نجاشی

لہ حٰمٓ السجدہ ع۲۔

کے پاس بھیج کر مہاجرین کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ تاکہ انہیں موت کے گھاٹ
اتار دیا جائے۔ ان مہاجرین پر اہم ترین الزامات اپنے پرانے مذہب کو ترک
کرنا اور نئے مذہب کو اختیار کرنا تھے۔ نجاشی نے تمام مہاجرین کو اپنے دربار میں
بلایا۔ اور پوچھا" کیا تمہارے دشمنوں کے بیانات صحیح ہیں۔ اور وہ کونسا مذہب
ہے۔ جس کے لئے تم نے اپنا پہلا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ اور نہ میرا مذہب
اختیار کیا ہے۔ اور نہ کسی اور قوم کا" جعفر بن ابوطالب جو مہاجرین کی رہنمائی
کر رہے تھے۔ اس طرح گویا ہوئے" عالیجاہ! ہم لوگ جہل و بربریت میں ڈوبے
ہوئے تھے، ہم بتوں کو پوجتے تھے، ہم نفس پرست تھے، ہم مردار کھاتے تھے
ہم فحش گو تھے، انسانیت کے تمام احساسات ہم میں سے مفقود ہو چکے تھے،
مہمان نوازی اور ہمسائگی کے تمام حقوق ہم بھلا چکے تھے۔ ہم سوائے طاقت
کے اور کسی قانون کو نہ جانتے تھے، کہ خدائے تعالیٰ نے ہم میں ایک انسان پیدا
کیا جس کے حسب و نسب، راست گوئی، ایمانداری اور پاکیزگی سے ہم واقف
ہیں۔ اس نے ہمیں خدا کی وحدانیت کی طرف بلایا۔ اور بتایا کہ اس کے ساتھ کسی
اور کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں بت پرستی سے منع کیا۔ ہمیں سچائی، ایمانداری
رحم اور حق ہمسایہ ادا کرنے کی تلقین کی۔ اس نے ہمیں عورتوں کو برا کہنے سے اور
یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا، اس نے ہمیں بدیوں اور گناہوں سے بچنے کا۔
نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ اس

کی تعلیمات کو قبول کیا۔ ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ اور کسی کو اس کا شریک نہیں گردانتے۔ یہی وجوہ ہیں۔ جن کی بنا پر ہماری قوم کے لوگ ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں ہمیں ظلم و جور کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور ایک خدا کی پرستش سے پھیر کر لکڑی، پتھر کے بُتوں کی پرستش اور کفر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے ہمیں یہاں تک عذاب و اذیت میں مبتلا کیا کہ ہم تنگ آ کر تیری سلطنت میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ اور ہمیں اُمید ہے۔ کہ تو ہمیں اُن کے ظلم سے بچا لیگا "

قریش کے مطالبات رد کر دیئے گئے۔ اور وہ ناکام و نامراد مکہ کو واپس چلے گئے۔ جس زمانہ میں آنحضرتؐ کے پیرو دوسرے ممالک میں اپنے دشمنوں سے پناہ تلاش کر رہے تھے۔ آنحضرتؐ خود تمام مصائب و آلام میں نہایت استقلال سے رسالت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ قریش ایک دفعہ پھر عزت و دولت کے مواعید کے ساتھ آئے۔ لیکن آپ نے ویسا ہی پُر از ایمان و ایقان جواب دے کر انہیں پھیر دیا " میں دولت و عزت اور سلطنت کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میں خدائے تعالیٰ کا فرستادہ ہوں۔ جس نے مجھے بشارتوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں تمہیں خدا کا کلام سُناتا ہوں۔ اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اگر تم نے میرا لایا ہؤا پیغام قبول کر لیا تو خدا دُنیا اور آخرت میں تمہارا بھلا کریگا اور اگر تم نے اسے قبول نہ کیا۔ تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے " قریش نے ان باتوں کو تضحیک و تمسخر میں اُڑا دیا۔

اور عیارانہ مطالبات سے آپ کی تعلیم کا بطلان کرنا چاہا۔ لیکن آپ کا توکل و ایمان اُن کے تمام مادہ پرستانہ کفر پر غالب رہا۔ وہ آپ سے کہتے کہ صحرا میں چشمے اور دریا بہا دو۔ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے زمین پر گراؤ۔ پہاڑیوں کو اپنی جگہ سے سرکا دو۔ ایک سونے کا گھر تعمیر کرو۔ یا ایک سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ۔ یہ لوگ ایک پرانے قصے کو دہرا رہے تھے۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے اپنے حواری آپ کو معجزہ دکھانے پر مجبور کرتے تھے تاکہ انہیں ان کی رسالت کا یقین آئے۔ پروفیسر مومری لکھتے ہیں "حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے آپ کو اور آپ کے کام کو کبھی نہ سمجھا وہ آسمان سے آگ برسانے کی فرمائش کرتے۔ اُن سے یہودیوں کا بادشاہ ہونے کا اعلان کرانا چاہتے۔ کوئی اُن کے تخت کے دائیں طرف اور کوئی بائیں طرف بیٹھنے کی خواہش کرتا۔ اور کوئی آسمانی باپ (خدا) کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا۔ ہر بات جو آپ کے مطمح نظر کے خلاف ہوتی یا تو خود کرنا چاہتے یا اُن سے کرانا چاہتے تھے۔ یہی سلوک وہ اس وقت تک کرتے رہے جب تک انجام آن پہنچا۔ اور جب انجام آن پہنچا تو سب آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے"

ان مذبذب اور غیر مطمئن لوگوں کو جو عجائبات کی خواہش میں قریش سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اور جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی متبرک ہستی کو ایک ایسے پردے میں چھپا دیا ہے۔ کہ موجودہ مادہ پرست عیسائیت بھی اسے ہٹا نہیں سکتی۔ آپ

(مسیح علیہ السلام) بعض اوقات غصے میں انہیں بدکار لوگ کہا کرتے تھے جو معجزات ڈھونڈھتے ہیں۔ اور فرماتے تھے انہیں کوئی معجزہ نہ دکھایا جائے گا۔ کیونکہ جو لوگ حضرت موسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں پر ایمان نہیں لاتے۔ اُن کے سامنے اگر مُردے کو بھی جلایا جائے گا تو وہ توبہ نہیں کریں گے +

رسُولؐ عربی کے متبعین میں ایک یہ بھی فوقیت تھی۔ کہ اُنہوں نے کبھی اپنے آقا سے معجزات کی فرمائش نہیں کی۔ وہ عالم، تاجر اور سپاہی آپ کی تعلیمات کے اخلاقی پہلو نظر رکھتے تھے۔ وہ اپنے بے یار و مددگار رسولؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اپنے تمام دنیاوی مفاد اور دنیاوی اُمیدوں کو قربان کر دیا۔ وہ آپ کے ساتھ زندگی اور موت میں ایسی ثابت قدمی کے ساتھ وابستہ رہے کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال ملنی محال ہے +

ایسے زمانے میں جبکہ معجزات کا کسی ادنےٰ سے ادنےٰ بزرگ کے اشارے پر ہو جانا ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔ اور جب نہ صرف عرب میں بلکہ اُن ہمسایہ ممالک میں جہاں کی تہذیب بہت زیادہ ترقی یافتہ تھی تمام فضا مافوق العادات سے پُر ہو رہی تھی۔ آزادی خیال کا یہ عظیم الشان عَلم بردار اُن معجزہ کے طلبگار کفار کو بلا تامل جواب دیتا ہے "خدا نے مجھے عجیب وغریب کام کرنے کے لئے نہیں بھیجا۔ بلکہ اُس نے مجھے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے" +

"کیا مَیں جو رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ انسان سے کچھ زیادہ ہوں۔ زمین پر

فرشتے آباد نہیں۔ ورنہ خدا کسی فرشتہ کو اُن کی ہدایت کے لئے بھیجتا۔ مَیں نے کبھی دعوےٰ نہیں کیا۔ کہ خدا کے خزانے میرے قبضے میں ہیں یا مجھے غیب کا علم ہے یا مَیں کوئی فرشتہ ہوں۔ میں جو اپنی آپ مدد نہیں کرسکتا نہ مجھے اپنے آپ پر بھروسہ ہے جب تک اللہ نہ چاہے۔" کوئی غیر معمولی دعوےٰ نہیں۔ کوئی مبالغہ آمیز گفتگو نہیں۔ اور اپنی ہستی اور اعمال کے متعلق کوئی افسونگرانہ حیلہ نہیں۔ آپ ہمیشہ یہی الفاظ دُہراتے ہیں کہ میں صرف خدا کے الفاظ سنانے والا اور بنی نوع انسان کے پاس خدا کا پیغام لانے والا ہوں۔" شروع سے آخر تک کوئی جُملہ ایسا نہیں ہے جس میں انسانی پرستش کی استدعا کا کوئی پہلو نکل سکے۔" شروع سے آخر تک آپ کے متین بیان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں۔ جو اس زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت حیرت انگیز ہے۔ شروع سے آخر تک اس کا طرزِ عمل اپنے خالق کے سامنے عجز و انکسار سے پُر ہے۔ اور عروج و سربلندی کے اوقات میں بھی آپ کے جذباتِ خاکساری اور ممنونیت کے ہیں +

"شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔ جو بادشاہ پاک ذات غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ وُہی تو ہے جس نے (عرب) کے جاہلوں میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سُناتا ہے۔ ان کو پاک کرتا ہے۔ اُنہیں کتابِ الٰہی اور حکمت کی باتیں سناتا ہے۔

ورنہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عطا کرے اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے"۔

پیغمبر اسلام کسی مافوق العادت قوت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اور اپنی صداقت کے ثبوت میں صرف اپنی تعلیمات پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنی تنبیہات کو مؤثر بنانے کے لئے معجزات کی آڑ نہیں ڈھونڈتا۔ وہ قدرت کے عجائبات کو ہستئ باری تعالیٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ وہ انسان کی سادگی اور کمزوری کی بجائے اس کے ضمیر اور عقل سے خطاب کرتا ہے۔ "تم اپنے اردگرد ہی دیکھو۔ یہ حیرت انگیز دُنیا، یہ سُورج، چاند اور ستارے جو آسمان کے اس نیلے گنبد پر نہایت تیزی سے اپنے مقررہ راستہ پر چلے جاتے ہیں۔ کائنات کی یہ تنظیم اور پابندئ قانون۔ یہ بارش جو مُردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ فائدہ مند مال سے لدے ہوئے جہاز جو سمندر پر تیرتے پھرتے ہیں، زرّیں پھلوں سے لدے ہوئے کھجور کے درخت، کیا یہ تمہارے لکڑی اور پتھر کے دیوتاؤں کے کام ہیں"؟

نادانو! کیا تم نشان چاہتے ہو جبکہ تمام کائنات نشانات سے بھری پڑی ہے۔ تم اپنے جسم کی بناوٹ دیکھو کس قدر حیرت انگیز ہے، اور کس خوبی سے اسے ترتیب دی گئی ہے۔ رات اور دن، زندگی اور موت کی تبدیلیوں پر غور کرو، تمہاری نیند اور بیداری اور خدا کی بے شمار نعمتیں، ہوائیں جو پانی سے لدے ہوئے بادلوں کو، خدا کے فضل و کرم کے ان نشانات کو اڑا ئے لئے آتی ہیں۔ کیا یہ نشانات

ایک مالک وخالق کی ہستی کا کافی ثبوت نہیں ہیں ؟

پیغمبر اسلام کے نزدیک قدرت خود ایک الہام اور معجزہ ہے۔

؎ ہر گیاہے کہ از زمیں روید۔ وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

ازبسکہ یہ وحدانیت کا پیغام بر فطرت کا پیغمبرؐ تھا۔ اخلاقیات کی طرف اس کی دعوت اور توحید الٰہی کے متعلق اس کی دبی ہوئی تڑپ کا انحصار اس محیط کُل قانون کی ذہنی وعقلی پہچان اور اس ایک ظاہر وباہر نفس اور اس ایک طاقت پر ہے جو کائنات کے توازنِ ہدایت اور انتظام کی ذمہ دار ہے۔ آنحضرت صلعم کا عظیم الشان معجزہ وہ کتاب ہے جس میں آپ نے ایک الہامی زبان میں فطرت، ضمیر اور رسالت کے تمام انکشافات کو بیان کر دیا۔ اے منکر لوگو! کیا تم اس سے بھی بڑا معجزہ چاہتے ہو کہ تمہاری اکھڑ زبان میں ایک بے مثال کتاب نازل کی گئی۔ جس کی ایک ایک آیت نے تمہاری تمام شاعری کو اور تمہارے مُعلقات کو گرد کر دیا۔ اور جس میں تمام کائنات کے لئے رحم وکرم کی بشارتیں ہیں، اور تکبر وبغاوت کے لئے وعیدیں ہیں ۰

لیکن آپ کی تمام پند ونصائح کے لئے قریش کے کان بہرے تھے۔ وہ خدا کے نشانات کے لئے اندھے تھے۔ وہ کارخانۂ قدرت میں ہستی باری تعالےٰ کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ وہ اپنے ناصح کی آواز کو سُن نہ سکتے تھے۔ جو اُنہیں نیکی کی طرف بُلاتا ہے۔ اور اُنہیں اُن کے اسلاف کے جرائم ومکروہات سے پھیرنا چاہتا

تھا۔ ان کے کینہ پرورانہ جواب میں وہ رُوح تھی جس کی مثال صرف قدیم آریاؤں اور فلیسیوں ہی میں مل سکتی ہے۔ وہ کہتے۔ اے محمدؐ! جان رکھ ہم تیری مخالفت سے اس وقت تک نہ ٹلیں گے۔ جب تک ہم دونوں میں سے کوئی ایک فنا نہ ہو جائے +

انہیں دنوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے مسلمان مؤرخین اور آنحضرتؐ کے عیسائی سوانح نگار مختلف طریقوں پر بیان کرتے ہیں۔ ایک روز آپ پر وحی کی حالت طاری تھی۔ اور آپ خانہ کعبہ میں وہ چند آیات تلاوت فرما رہے تھے۔ جو اب قرآن کی ۵۳ ویں سُورت کا ایک جُزو ہیں۔ جب آپ ان الفاظ پر پہنچے، "کیا تم نے لات، عُزّیٰ اور تیسری منات کے متعلق غور کیا؟" ایک بُت پرست جو پاس ہی سُن رہا تھا۔ اور جسے روایات نے اب شیطان میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان کا بُطلان کرنے والی آیندہ آیت کا اندازہ کر کے پکارا۔ "یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور خدا سے اُن کی شفاعت کی اُمید کی جا سکتی ہے۔" بعض نے ان الفاظ کو بھی وحی کا جُزو سمجھا۔ اور قریش اپنی اس شرارت یا رسولؐ اللہ کی رعایت سے خوش ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور ایسی شرائط کے منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ جب آنحضرتؐ کو اِس معاملہ کا علم ہوا تو آپ فوراً پکار اُٹھے۔ "وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم لوگوں نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے وضع کر لئے ہیں۔" یہ بیان مسلمان مؤرخین کا ہے۔ عیسائی سوانح نگاروں کے نزدیک یہ واقعہ قریش

کے ساتھ اس جھگڑے کو کسی حیلے ختم کرنے کے لئے آنحضرتؐ کی ایک لمحاتی خواہش خیال کی جاتی ہے۔ متعصبین اسے "عیب" اور "پستی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن شریف اور غیر متعصب مؤرخین اس واقعہ سے رسول عربیؐ کی ہستی کو روشن تر کر دیتے ہیں۔ ظلم و جوُر میں روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔ آپ کے متبعین کی تکالیف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور شہر کی تمام آبادی مسلح ہو کر آپ کے مقابلہ پر آ گئی تھی۔ آپ کو اپنے متبعین کی حالت دیکھ دیکھ کر سخت رنج ہوتا تھا۔ بُت پرستی اور اس طویل جنگ نے آپ کو غمزدہ بنا دیا تھا +

اِس اعلان پر کہ لات، عُزّٰی اور منات صرف نام ہی نام ہیں ظلم و جوُر دُگنے جوش سے بھڑک اُٹھا۔ لیکن خدائے تعالٰے کی امداد پر بھروسہ کرتے ہوئے اور ان ہدایات کے سہارے جو فرشتۂ رحمت آپ کے دل میں ڈال رہا تھا، دشمنوں کے ظلم و جوُر آپ کو اپنے کام سے باز نہ رکھ سکے۔ ان تمام مخالفتوں کے باوجود نئی تعلیمات آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر بڑھتی گئیں۔ سچائی کے بیج جو اس خوبی سے بوئے گئے تھے ثمرور ہونے سے نہ رہ سکتے تھے۔ صحرا کا وحشی عرب یا دُور دراز شہروں کا تاجر باشندہ جو کوئی بھی قومی میلے پر آتا۔ اس عجیب و غریب شخص کی باتیں سُنتا۔ جسے اس کے دشمن مجنون کہتے تھے۔ اس کی پاک تعلیمات کو سُنتا۔ جو اس کی رُوح کی گہرائیوں سے نکلتی تھیں۔ جب وہ اسے بُتوں پر، توہم پرستی پر اور بدکرداریوں پر لوگوں کو لعنت ملامت کرتے سنتا،

تو خوف و حیرت میں غرق ہو جاتا اور اپنے دُور دراز علاقوں میں ایک نئی روشنی اور ایک نئی زندگی کا حامل ہو کر جاتا حالانکہ اسے خود اس بات کا علم نہ ہوتا۔ وہ تمام ہجویات اور گالیاں جن کا مورد آنحضرتؐ کے دُشمن آپ کی ذات کو بناتے، آپ کی تعلیمات کو وسیع تر کر دیتیں +

اِس اثنا میں مکّہ والے بھی بے کار نہ رہے۔ کئی مرتبہ اُنہوں نے ابُوطالب کے پاس وفد بھیجے کہ وہ اپنے بھتیجے کو ان کے مذہب کی مخالفت سے روک دیں۔ شروع میں تو ابُوطالب اُنہیں خُلق اور نرمی سے واپس کر دیتے رہے لیکن جب کفرونا پاکی کے خلاف آنحضرتؐ کی آتش بیانی جاری رہی تو قریش نے آپ کو کعبہ میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی۔ اور سب اکٹھے ہو کر آپ کے چچا کے پاس آئے۔ اور کہا "ہم آپ کی بزرگی اور مرتبہ کا لحاظ کرتے ہیں۔ لیکن آخر اس لحاظ کی کوئی حد بھی ہے۔ آپ کا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں اور ہمارے آباؤ اجداد کے متعلق گستاخانہ کلمات کہتا ہے۔ اور ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ اِس لئے یا تو اُسے ایسا کرنے سے روک دیجئے یا خود اُس کے ساتھ شامل ہو جائیے۔ تاکہ تلوار ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اور دونوں میں سے ایک گروہ نابود ہو جائے" یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گئے۔ ابُوطالب کو نہ تو اپنی قوم سے جُدا ہونا گوارا تھا اور نہ اپنے بھتیجے کو کفار کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے آنحضرتؐ کو بُلایا اور قریش کی باتوں سے مطلع کرنے کے بعد اس کام کو چھوڑ دینے کی استدعا

کی۔ آنحضرتؐ نے خیال کیا کہ چچا اپنی حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن اس نازک وقت میں بھی اولوالعزمی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ نے مضبوطی سے فرمایا۔ "چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور مجھے اس کام سے باز رکھنا چاہیں تو میں پھر بھی باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالےٰ کا منشا پورا ہو جائے یا میں اِس کوشش میں فنا ہو جاؤں۔" لیکن آپ اپنے چچا کے طرزِ عمل سے مغموم سے ہو گئے۔ اور واپسی کے لئے پلٹے ہی تھے کہ چچا نے بلا کر کہا۔ "جو کچھ تمہارا دل چاہتا ہے کہے جاؤ۔ خدا کی قسم ہے میں تمھیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ نہیں کبھی نہیں۔" قریش نے ایک مرتبہ اور کوشش کی کہ ابُوطالب بھتیجے کو اُن کے حوالے کر دیں۔ اُنہوں نے قبیلہ مخزوم کا ایک نوجوان آنحضرتؐ کے تبادلہ میں دینا چاہا۔ لیکن یہ کوشش بھی رائگاں گئی۔ بھتیجے کی حمایت میں ابُوطالب کی آمادگی نے اُن کو اور خشم ناک کر دیا۔ اس معزز بزرگ نے بنی ہاشم، بنی مطلب اور آنحضرتؐ کے اقربا کو اُن کی عزّت کا واسطہ دیکر کہا کہ اپنے خاندان کے اس فردِ فرید کو دشمنوں کے جور و ظلم کا ہدف بننے سے بچاؤ۔ اِس استدعا پر سوائے اس کج فطرت ابُولہب (ابُوجہل) کے سب نے لبیک کہی۔

اس وقت اسلام نے حضرت عمرؓ کی ہستی میں ایک طرفدار پیدا کر لیا جن کے اولوالعزمانہ کارناموں نے اسلام کی آیندہ سلطنت میں آپ کو ایک عظیمُ الشان کارکن ثابت کیا۔ خدمات اسلام کی وجہ سے آپ کا اسمِ گرامی صفحاتِ تاریخ پر زریں

حروف میں لکھا نظر آتا ہے۔ آپ خاندان عدی بن کعب کے ایک ممتاز فرد اور خطاب کے فرزند تھے۔ آپ قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت ترین دشمن اور اُن پر سختیاں کرنے میں سب سے پیش پیش تھے۔ آپ کے تبدیل مذہب کا باعث قرآن کی ایک سُورت کا معجز نما اثر سمجھا جاتا ہے۔ جو آپ نے اپنی ہمشیرہ کے مکان پر سُنی اور جہاں آپ نہایت غضبناک حالت میں قاتلانہ ارادے سے گئے تھے +

اِس واقعے سے متاثر ہو کر آپ سیدھے آنحضرتؐ کے پاس گئے۔ آپ کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی جس سے آپ کبھی آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے مجمع میں جو آنحضرتؐ کے ارشادات سُن رہے تھے سخت اضطراب پیدا کر دیا۔ لیکن آپ نے بڑھ کر آنحضرتؐ کا ہاتھ چُوم لیا۔ حضرت عمرؓ پر خدائے تعالیٰ کے رحم و کرم کا نزول دیکھ کر مسلمانوں کے نشاکرانہ نعرے فضا میں گونج اُٹھے۔ آپ کا حلقۂ اسلام میں داخل ہونا اسلام کے لئے بمنزلہ ایک فصیل کے ثابت ہوُا +

اسلام کو اب چھُپ چھُپ کر رہنے اور پردہ داری میں نماز ادا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ طبقۂ غربا کے متبعین کی ایک معقول تعداد کے علاوہ آنحضرتؐ کے گرد منتخب احباب کی ایک جماعت ہو گئی تھی جو حمزہؓ، ابوبکرؓ، اور عمرؓ جیسے بہادر، قابل اور سربرآوُردہ افراد پر مشتمل تھی اور حضرت علیؓ اگرچہ نو عمر تھے۔ لیکن جلد جلد امتیاز حاصل کر رہے تھے +

ان مقتدر ہستیوں کی شمولیت نے مسلمانوں کے دل بڑھا دیئے۔ اور اب وہ کھلم کھلا نماز ادا کرنے لگے۔ قریش اب حالات کی نزاکت کو محسوس کرنے لگے۔ اور ایک فیصلہ کن ضرب کے منتظر رہے +

حبشہ کے وفد کی ناکام واپسی نے انہیں غضب ناک کر دیا۔ آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک ہی حملہ سے ہاشم اور مُطلب کے خاندان کو مٹا دیا جائے اس کام کے لئے بعثت نبوّت کے ساتویں سال ۶۰۶ء کے آخر میں بنی ہاشم اور بنی مُطلب کے مخالفوں کی ایک انجمن بنائی گئی۔ ایک عہد نامہ پر سب کے دستخط لئے گئے۔ کہ بنی ہاشم کے ساتھ رشتہ و نکاح یا کسی قسم کا لین دین نہ کریں گے۔ اور یہ عہد نامہ کعبہ میں محفوظ کر دیا گیا۔ بنی ہاشم اور بنی مُطلب جن میں کُفار اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ اس عہد نامہ کی وجہ سے خوفزدہ ہو گئے۔ اور اسے کسی سخت تر حملے کا پیش خیمہ تصوّر کرتے ہوئے یہی مناسب سمجھا۔ کہ شہر میں اپنے بکھرے ہوئے گھروں کو چھوڑ کر ایک جگہ مجتمع ہو کر رہیں اِس لئے شعب ابوطالب میں اُٹھ آئے۔ یہ ایک لمبی اور تنگ گھاٹی ہے۔ جسے پہاڑی دیواروں نے شہر سے جُدا کر رکھا ہے۔ اور داخل ہونے کے لئے ایک چھوٹے سے دروازے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ ابولہب ان میں شامل نہ ہوا۔ بلکہ دشمنوں کی طرف رہا +

یہ لوگ مع آنحضرتؐ کے سخت تنگی و عُسرت کی حالت میں تین سال تک

اسی جگہ محصور رہے۔ جس قدر سامان خوراک وہ ساتھ لے گئے تھے۔ وہ جلد ہی ختم ہوگیا۔ اور فاقہ زدہ بچوں کے رونے کی آواز باہر سے سنائی دینے لگی۔ اگر باہر کے کم متعصب لوگ وقتاً فوقتاً انہیں چوری چھپے امداد نہ دیتے رہتے تو ممکن تھا۔ کہ سب کے سب وہیں فاقوں سے جان بحق ہو جاتے۔ اب چند رؤسا اپنی اس ناانصافی پر دل ہی دل میں منفعل ہو رہے تھے۔ بعثتِ نبوت کے دسویں سال ۶۱۹ء میں ہشام بن عمر نے جسے ہاشمیوں کے ساتھ ہمدردی تھی قریش اور ہاشم و مُطلب کے خاندانوں کے درمیان ایک صلحنامہ کی تحریک شروع کی۔ وہ زبیر بن ابواُمیہ کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ اور چند اور لوگوں کی مدد سے اُس نے عہدنامہ کو منسوخ کرا دیا۔ دونوں خاندانوں کے ساتھ تعلقات ازسرِنو قائم ہوگئے۔ اور اُنہیں مکہ میں آنے کی اجازت مل گئی +

جتنا عرصہ آنحضرتؐ شعب میں رہے شہر میں اسلام کوئی ترقی نہ کر سکا۔ ان متبرک مہینوں میں جبکہ لڑائی جھگڑے حرام سمجھے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ اپنے قیدخانہ سے باہر آتے اور حاجیوں کو تبلیغ کرنے کی کوشش کرتے لیکن اُبوجہل ہر جگہ آپ کے پیچھے پیچھے جاتا اور پکار پکار کر کہتا یہ شخص جھوٹا ہے +

اس کے بعد آئندہ سال میں جو تاریخ اسلام میں عام الحُزن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُبوطالب اور حضرت خدیجہؓ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔ اُبوطالب کی وفات سے آپ نے اپنی جوانی کا سرپرست کھویا جو اب تک آپ میں اور

اور آپ کے دشمنوں میں ایک دیوار کی طرح حائل تھا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات ایک جانکاہ صدمہ تھی۔ جب ابھی آپ پر کوئی ایمان نہ لایا تھا۔ یہاں تک کہ خود آپ کو بھی اپنی رسالت کا علم نہ تھا۔ جب آپ کا دل شبہات سے پُر تھا۔ جب آپ کو اپنے آس پاس صرف تاریکی اور یاس ہی نظر آتی تھی۔ تو انہیں کی محبت اور اُنہیں کے ایمان ویقین نے آپ کا ساتھ دیا تھا" آپ اُمید وتشفی کا فرشتہ تھیں " آنحضرتؐ کو آخری وقت تک آپ کی محبت واُلفت یاد آتی رہی +

نوٹ :۔ سر ولیم میور کا خیال ہے کہ ایم کاسن ڈی پرسیول رمضا اور بطحا کو جگہوں کے نام سمجھنے میں غلطی پر ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ اِن ناموں سے اُن جگہوں کی تخصیص مطلوب ہے۔ جن پر ان لوگوں کو اذیت دی جاتی تھی۔ ایم کاسن ڈی پرسیول اور اپنے بیان کی تصدیق میں مَیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان جگہوں کی موجودگی ایک حقیقت ہے اور مسلمان مصنفین نے بطحا کو مکہ کے قرب وجوار میں ایک جگہ ظاہر کیا ہے۔ مثلاً مشہور حکیم سنائی کہتا ہے ؎ چو علمت ہست خدمت کُن چو بےعلماں کہ زشت آید گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ در بطحا

دُوسرا باب

ہجرت

محمد سید الکونین والثقلین   والفریقین من عرب و العجم

بنی اُمیہ اور دوسرے مخالف قبائل کو قدیم مذہب سے وابستگی کی بنا پر اور اس حسد و نفرت سے برانگیختہ ہو کر جو اُنہیں ہاشمیوں کے ساتھ تھی۔ مکہ میں اسلام کو کچل دینے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ ابُوطالب کی وفات جن کے اثر و اقتدار نے ان کے غصے کو دبا رکھا تھا۔ ظلم و جفا کو دُگنے جوش سے شروع کرنے کا ایک اشارہ ثابت ہوئی۔

اپنے معزز سرپرست اور محبوب بیوی کی وفات نے آنحضرتؐ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ اور قریش کی اصلاح سے نااُمید ہو کر، لیکن خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے آپ نے تبلیغ کے لئے کوئی اور میدان تلاش کرنا چاہا۔ مکہ والوں نے خدا کے الفاظ قبول نہ کئے۔ شاید اہل طائف اُنہیں سنیں۔ اپنے وفادار خادم زید کی معیت میں

آپ بنی ثقیف میں آئے۔ اور اُنہیں اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ بُرائیوں سے مُتنبہ کیا۔ اور خدا کی عبادت کی طرف بُلایا۔ آپ کی تقریر نے غیظ و غضب کا ایک طُوفان برپا کر دیا۔ "یہ مجنون شخص کون ہے جو اس آزادی اور اطمینان کے ساتھ ہمیں اپنے خوبصورت دیوتاؤں کی پرستش سے روکتا ہے"۔ غلاموں اور بچّوں کا ایک گروہ پتھر مارتا ہُوا اور بھینچتا چلّاتا ہُوا آپ کے پیچھے دوڑا یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ اور وہ لوگ آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ پاؤں زخمی اور تکان سے چُور ہو رہے تھے۔ کہ آپ کھجوروں کے ایک جھُنڈ کے سایہ تلے آ گئے۔ اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر پکارے "اے خدا! میں اپنی کمزوری اور ناکامی کی فریاد تیرے پاس لے کر آیا ہوں۔ کیونکہ میں لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوں۔ اے رحمٰن! اے کمزوروں کے خدا! تو ہی میرا حافظ و ناصر ہے۔ مجھے اس وقت بھُلا نہ دینا۔ مجھے اجنبیوں اور دشمنوں کے حوالے نہ کرنا۔ اگر تُو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو میں محفوظ ہوں۔ میں تیری مہربانی کے نُور کی پناہ لیتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں اور دُنیا و عقبیٰ میں امن ملتا ہے۔ اپنا غصّہ مجھ پر نازل نہ فرما جس طرح تُو چاہے میری تکلیف آسان کر دے۔ تیرے سوا نہ کوئی طاقت اور کوئی مدد نہیں ہے"۔

آپ سخت غمزدہ ہو کر مکہ کو واپس آئے۔ کچھ مدّت یہاں کے لوگوں سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ کبھی کبھی تبلیغ کرتے۔ لیکن آپ کی کوشش صرف

اِن اجنبیوں تک محدود رہتی جو مکہ یا اس کے قرب وجوار میں حج کی غرض سے جمع ہوتے اور بقول طبری آپ ایسے لوگ تلاش کرتے۔ جو آپ پر ایمان لائیں! ور آپ کی تعلیمات کو اپنے دُور دراز علاقوں میں ساتھ لے جائیں ✦

ایک روز جبکہ آپ ان نیم تاجروں اور نیم حاجیوں میں اُداس لیکن پُرامید طریق سے مصروف کار تھے۔ آپ کو یثرب کے چھ باشندے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے ملے۔ آپ نے اُن سے فرمایا۔ بیٹھ کر میری بات سنو۔ آپ کی متین اور پُراز صداقت باتوں سے متاثر ہو کر وہ ایمان لے آئے اور اپنے وطن پہنچ کر بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ یہ خبر پھیلادی۔ کہ عربوں میں ایک پیغمبرؐ پیدا ہوا ہے۔ جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے گا۔ اور ان جھگڑوں کا خاتمہ کردیگا جو صدیوں سے ہمارے درمیان چلے آتے ہیں ✦

دُوسرے سال یہ یثربیؐ اپنے شہر کے دوسر برآوردہ خاندانوں میں سے چھ نمایندے اپنے ساتھ لائے ✦

اسی جگہ پر جہاں پہلے چھ آدمی ایمان لائے تھے۔ یہ چھ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ عقبہ کی پہلی بیعت کہلاتی ہے۔ اس پہاڑی کے نام پر جہاں یہ عمل میں آئی۔ آپ نے ان سے مُندرجہ ذیل عہد لئے ✦

"ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ ہم چوری اور زناکاری کبھی نہ کریں گے۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ ہم تُہمت اور غیبت سے

بچیں گے۔ ہم ہر اچھی بات کے لئے پیغمبر کا حکم مانیں گے۔ اور ہم شادی وغم میں اس کے وفادار رہیں گے ؛

اس بیعت کے بعد یہ لوگ اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ مذہب کے اصول انہیں سمجھانے کے لئے آپ نے ایک صحابی کو اُن کے ساتھ بھیج دیا۔ یثرب میں یہ مذہب تیزی سے پھیلنا شروع ہو گیا +

بیعتِ اُولیٰ اور بیعتِ ثانی کا درمیانی وقفہ رسالتِ محمدی کے نازک ترین لمحات ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کا بے نظیر توکل اور آپ کا پُرعظمت طرزِ عمل کسی جگہ اس قدر نمایاں نہیں۔ جس قدر کہ اس زمانہ میں ہے۔ اپنی قوم کی صنم پرستی کو دیکھ دیکھ کر آپ کُڑھتے۔ لیکن آپ کا رنج اس اُمید سے رفع ہو جاتا کہ حق انجام کار باطل پر فتح پا کر رہے گا۔ ممکن ہے آپ کی زندگی اس وقت تک وفا نہ کرے۔ لیکن باطل کا حق کے سامنے غائب ہو جانا ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ سُورج کی کرنوں کے سامنے تاریکی کا کافور ہو جانا۔ ان حالات کے پیشِ نظر میور کی زبان سے بھی غیر معمولی طور پر چند تعریفی کلمات نکل گئے ہیں "محمد (صلعم) اس طرح اپنی قوم کو روکے ہوئے، فتح کی اُمیدوں میں، ظاہرا طور پر بے یار و مددگار اور اپنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ جو بظاہر شیر کے مُنہ میں تھی، اپنے قادرِ مطلق خدا کی طاقت پر بھروسہ کئے ہوئے جس کا پیغام بر وہ اپنے آپ کو سمجھتے تھے، مضبوط و استوار کھڑے ہوئے ایک ایسا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ جس کی مثال صرف صُحفِ مقدسہ ہی

میں مل سکتی ہے - اور صرف ایسے واقعات میں جیسا کہ پیغمبر اسرائیل کا ہے - جبکہ وہ اپنے خدا سے شکوہ کرتا ہے ۔

یہ مضطربانہ انتظار کا زمانہ اس عجیب رویاءِ معراج کی وجہ سے بھی زیادہ قابلِ ذکر ہو گیا ہے - جسے شاعروں اور راویوں کی قیاس آرائیوں نے قطعاً بدل دیا ہے ان لوگوں نے قرآن کے اِن سادہ الفاظ کو خوبصورت قصوں اور کہانیوں میں لپیٹ دیا ہے "وہ خدا پاک ہے - جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا - جس کے ماحول کو ہم نے برکتیں دے رکھی ہیں - تاکہ ہم اُسے اپنی قدرت کے نشان دکھائیں - اور بے شک خدا سمیع و بصیر ہے" اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں کہا یقیناً تیرا خدا انسان کو گھیرے ہوئے ہے - اور ہم ہی نے وہ رؤیا تمہیں دکھائی" باوجود اس خوبصورت لباس کے جس میں راویوں نے اس عجیب واقعہ کو ملبوس کر رکھا ہے - یہ ایک عظیم الشان رؤیا ہے - جو اپنے اندر پُر عظمت و شوکت خیالات اور عمیق معنی لئے ہوئے ہے[۱]"

اگلے سال ۶۲۲ء میں ۷۵ یثربی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا - اپنے غیر مسلم رفقا کے ہمراہ مکہ میں آئے - تاکہ رسول اللہ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں - لیکن ان کو اپنے ساتھیوں کے ارادہ کا علم نہ تھا ۔

رات کی خاموشیوں میں جبکہ تمام دشمن عناصر سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے

---

[۱] سٹینلے لین پول (دیباچہ منتخبات القرآن)

اسلام کے یہ علمبردار اس پہاڑی کے نیچے جمع ہوئے جہاں بیعتِ اُولیٰ عمل میں آئی تھی۔ آنحضرتؐ اپنے چچا عباسؓ کی معیت میں یہاں پہنچے، جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہ کیا تھا۔ لیکن اسلام کی ترقی میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ آپ نے اجلاس کا افتتاح کیا۔ اور یثربیوں کو ان تمام خطروں سے واضح طور پر آگاہ کیا جن میں وہ اپنے آپ کو اسلام اختیار کرتے اور رسول اللہ کو اپنے شہر میں بلا کر ڈال رہے تھے۔ اُنہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ اسلام قبول کرتے وقت یہ تمام خطرات پہلے ہی سے ان کے پیش نظر تھے۔ اور کہا "یا رسول اللہ اپنے لئے اور اپنے خدا کے لئے جو عہد آپ لینا چاہتے ہیں، ہم سے لے لیں"۔

آنحضرتؐ نے اپنے معمول کے مطابق قرآن کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ انہیں خدا کی عبادت کی دعوت دی اور نئے مذہب کی برکات بتائیں۔ پہلے عہد کو دہرایا گیا۔ کہ وہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اسلام کے احکام کی تعمیل کریں گے۔ ہر نیک عمل کے لئے رسول اللہ کے احکام مانیں گے۔ آپ کی اور آپ کے متعلقین کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی آل و اولاد کی کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا "اگر ہم خدا کی راہ میں اپنی جانیں دے دیں۔ تو ہمیں کیا ملے گا؟" جواب ملا "آیندہ زندگی کی راحت"۔ انہوں نے کہا "لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ عروج و خوشحالی کے وقت اپنے لوگوں میں واپس چلے آئیں اور ہمیں چھوڑ دیں"۔ آپ مُسکرائے اور فرمایا "نہیں ہرگز

نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔" اُنہوں نے کہا۔" تو اپنا ہاتھ بڑھائیے۔" اور ہر ایک نے آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر خدا اور اُس کے رسُول کی اطاعت کے لئے قسمیں کھائیں۔ یہ معاہدہ ابھی ختم ہی ہؤا تھا۔ کہ ایک مکّی کی آواز آئی جو دُور سے تاریکی میں چھپا اس معاملہ کو دیکھ رہا تھا۔ تمام لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ لیکن آنحضرتؐ کے تسلّی بخش الفاظ نے ان کے ہوش بجا کئے۔ آپ نے انہیں لوگوں کی رائے کے مطابق بارہ بلند مرتبہ آدمی بطور نقیب منتخب کئے۔ اور اس طرح دوسری بیعتِ عقبہ انجام پذیر ہوئی +

مکّی مخبر نے اس مشاورت کی خبر تمام شہر میں پھیلا دی تھی۔ قریش آنحضرتؐ کی بے باکی پر سخت حیران ہوئے۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر یثربی کاروان میں پہنچے اور آنحضرتؐ سے معاہدہ کرنے والوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ لیکن ان لوگوں کا کوئی سُراغ نہ مل سکا۔ اور کاروان کو بلاحجّت واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ قریش کا یہ ظاہری تحمّل آنحضرتؐ اور آپ کے مُتبعین کے لئے ظلم و جوَر میں زیادتی کی تمہید ثابت ہؤا۔ مسلمانوں کی حالت روز بروز خطرناک ہوتی جا رہی تھی۔ آنحضرتؐ نے قتلِ عام کے خوف سے اپنے مُتبعین کو یثرب کی طرف فوراً ہجرت کر جانے کی ہدایت کی جس کے نتیجے میں تقریباً ایک سَو گھرانے ایک ایک دو دو کر کے نہایت خاموشی سے مکّہ سے نکل جاتے رہے۔ یثرب میں ان کا نہایت پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ اسی طرح مکّہ میں محلے کے محلے خالی ہو گئے۔ عتبہ بن ربیعہ نے ان

ان ویران گھروں کو دیکھ کر جو کبھی اس قدر آباد تھے۔ ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ایک پرانا شعر پڑھا کہ "ہر آبادی خواہ وہ کب سے عیش و خوشحالی کا مرکز بن رہی ہو ایک نہ ایک دن غم و الم اور ویرانی کا شکار ہو جاتی ہے" اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا کہ "یہ تمام کارستانی ہمارے اپنے ہی ایک بھائی کی ہے جس نے ہماری محفلوں کو منتشر کر دیا۔ ہمارے معاملات کو تباہ کر دیا، اور ہمارے درمیان تفریق ڈال دی"۔

حضرت عیسیٰؑ کی طرح آنحضرتؐ کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ پیش آیا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خود فرماتے تھے۔ کہ "یہ نہ سمجھو کہ میں دنیا پر امن لے کر آیا ہوں۔ میں امن لے کر نہیں آیا بلکہ تلوار لے کر آیا ہوں، میں بیٹے کو باپ سے، بیٹی کو ماں سے، اور بہو کو ساس سے جدا کرنے آیا ہوں۔ لیکن آنحضرتؐ کے معاملہ میں آپ کا بدترین دشمن آپ کو گھرانوں میں تفریق ڈالنے کا الزام دیتا ہے۔

اس تمام عرصے میں جبکہ طوفان چڑھ چکا تھا اور ہر لحظہ اس کے تباہ کن اثرات کا خدشہ تھا۔ آپ کا پائے استقلال کبھی نہ ڈگمگایا۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے سوا آپ کے تمام متبعین یثرب پہنچ چکے تھے۔ لیکن آپ اکیلے نہایت دلیری سے اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔

آنحضرتؐ کے بچ نکلنے کے خوف سے قریش نے دارالندوہ میں ایک مجلس

مشاورت قائم کی جس میں دُوسرے قبائل کے رؤسا کو بھی دعوتِ شمولیت دی گئی۔ اب زندگی اور موت کا سوال درپیش تھا۔ ایک طوفان انگیز مشاورت ہوئی کیونکہ ان کے دلوں میں خوف گھر کر چکا تھا۔ عمر قید اور خارج البلد کرنے پر باری باری سے بحث ہوئی۔ آخر قتل کی تجویز منظور ہوئی۔ لیکن مشکل یہ تھی۔ کہ قاتل اور اُس کا خاندان انتقام کی زد سے نہ بچ سکتا تھا۔ اِس مشکل کو ابُوجہل نے یوں حل کیا۔ کہ تمام قبائل میں سے چند باہمت نوجوان منتخب کئے جائیں۔ جو اپنی تلواریں یکدم آنحضرتؐ کے سینہ میں پیوست کر دیں۔ تاکہ اس کام کی ذمّہ داری سب پر یکساں عائد ہو۔ اور آپ کے اقربا انتقام سے عاجز آ جائیں۔ یہ تجویز پسند کی گئی۔ اور اس سنگدلانہ کام کے لئے چند ذی مرتبہ نوجوان منتخب کئے گئے۔ جب کچھ رات گذر چکی تو ان قاتلوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ لوگ تمام رات بیدار رہے۔ اور انتظار کرتے رہے۔ کہ علی الصّباح جب آپ نکلیں۔ تو آپ کو قتل کر دیا جائے۔ کبھی کبھی کواڑوں سے جھانک کر اطمینان کر لیتے کہ آپ ابھی تک بستر پر موجود ہیں۔ لیکن اپنے بچاؤ کے اس احساس نے جس کے ذریعہ ناصرہ کا پیغمبر اپنے دشمنوں سے بچ کر نکل جاتا تھا۔ آپ کو بھی خطرہ سے متنبّہ کر دیا تھا۔ قاتلوں کی توجّہ کو بستر پر لگائے رکھنے کے لئے آپ نے اپنی سبز چادر اپنے وفادار دوست حضرت علیؓ پر ڈال دی۔ اور اُنہیں اپنے بستر پر لِٹا دیا۔ اور خود اس طرح بچ نکلے جس طرح حضرت داؤدؑ کھڑکی میں سے بچ نکلے تھے۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر آئے اور دونوں

چپکے سے روانہ ہو گئے۔ دونوں کوہ ثور کے ایک غار میں جو مکّہ کے جنوب میں واقع ہے۔ کئی روز تک چھپے رہے۔ قریش کا غصّہ اب حد سے تجاوز کر گیا۔ قتل کرنے والوں کی ناکامی نے اُن کے جذباتِ دشمنی کو اور بیدار کر دیا۔ تمام علاقے میں سوار دوڑائے گئے۔ اور آپ کے قتل پر انعام مقرر کیا گیا۔ ایک دو مرتبہ تو خطرہ اس قدر قریب پہنچ گیا۔ کہ حضرتِ ابوبکرؓ کا دل خوف سے لرز گیا۔ اور کہا کہ "ہم صرف دو ہیں" آپ نے فرمایا "نہیں ہم تین ہیں۔ خدا ابھی ہمارے ساتھ ہے" اور واقعی خدا اُن کے ساتھ تھا۔ تین دن کی ناکام جدوجہد کے بعد قریش کی کوششیں کچھ سست پڑ گئیں۔ اس تمام عرصے میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک بیٹی رات کے وقت آپ کو کھانا پہنچا جایا کرتی تھی۔ تیسری رات کو اُنہوں نے بہ دقّت تمام دو اُونٹ بہم پہنچائے اور غیر آباد راستوں سے یثرب کو روانہ ہوئے۔ لیکن یہ راستہ بھی خطروں سے پُر تھا۔ اس معقول انعام کے لالچ میں جو آپ کے قتل کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ابھی تک کئی سوار نہایت تندہی سے ان بے یار و مددگار مسافروں کو تلاش کر رہے تھے۔ ایک وحشی اور جنگ جُو سپاہی نے اُنہیں پہچان لیا۔ اور گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ ایک دفعہ پھر حضرت ابوبکرؓ کا دل ڈوب گیا۔ اور فرمایا کہ "ہم ہلاک ہوئے" آنحضرتؐ نے فرمایا "ڈرو نہیں خدا ہمیں بچائے گا" جب وہ قریب پہنچا تو اس کا گھوڑا بھڑک گیا اور گر پڑا۔ سوار پر ایسا خوف طاری ہوا کہ معافی کی استدعا کرنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک

ہڈی کے ٹکڑے پر اُسے معافی نامہ لکھ دیا۔

تین دن کے سفر کے بعد آپ یثرب کی حدود میں پہنچ گئے۔ جون ۶۲۲ء کا ایک گرم دن تھا۔ کہ آپ اُس زمین پر اُترے۔ جو آئندہ آپ کا مامن و مسکن بننے والی تھی۔ سب سے پہلے ایک یہودی نے جو ایک مینار پر کھڑا تھا آپ کو دُور سے پہچانا۔ اس طرح قرآن کے یہ الفاظ پورے ہوئے کہ "وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے اُسے اِس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔" آپ اور حضرت ابوبکرؓ چند روز تک قبا نام ایک گاؤں میں ٹھہرے جو یثرب سے دو میل جانب جنوب واقع ہے۔ اور خوبصورتی اور زرخیزی کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہیں حضرت علیؓ آپ سے آن ملے۔ جنہیں آپ کے بعد کفار نے سخت اذیتیں دی تھیں۔ حضرت علیؓ مکہ سے بھاگے تو دن کو چھپتے راتوں سفر کرتے ہوئے پاپیادہ یہاں پہنچے۔

بنی عمرو بن عوف نے جو اس گاؤں کے مالک تھے کچھ روز اور ٹھہرنے کی استدعا کی۔ لیکن اپنے اہم فرائض کے پیش نظر آپ اپنے متبعین کی مختصر جماعت کے ساتھ یثرب کو روانہ ہو گئے۔ اور ۱۶ ربیع الاوّل مطابق ۲ جولائی ۶۲۲ء جمعہ کی صبح کو شہر میں داخل ہوئے۔

اِس طرح ہجرت کی تکمیل ہوئی جسے یورپی تواریخ "محمد صلعم کے فرار" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسی روز سے تقویم اسلامی کی ابتدا ہوئی۔

نوٹ:۔ سن ہجری کا اجرا ہجرت کے سترہ سال کے بعد خلیفۂ دوم کے وقت (باقی بر صفحہ ۹۷)

تیسرا باب

رسُول اللہؐ مدینہ میں

پیش از ہمہ شاہانِ غیور آمدۂ — ہر چند کہ آخر بہ ظہور آمدۂ

اے ختمِ رسل قربِ تو معلومم شد — دیر آمدۂ ز راہِ دُور آمدۂ

مندرجہ بالا متصوفانہ اشعار کے پُورے معانی موجُودہ زمانہ کے بہت کم مُسلمان سمجھ سکتے ہیں لیکن تمام لوگ اس گہری محبت واُلفت کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں۔ جو ان الفاظ میں اس عظیم الشان ہادی کے متعلق ظاہر کی گئی ہے۔ اور یہ محبت ایسی نہیں ہے۔ جو کسی افسانہ کے ہیرو سے یا امتداد زمانہ کی وجہ سے پیدا ہو جایا کرتی ہے ورُودِ یثرب کے وقت سے لے کر آپ کی ذات ہمیں روشن نظر آتی ہے۔ اور آپ ہی وہ عظیم الشان ہستی ہیں جن پر آفتابِ تاریخ اپنی پوری آب وتاب سے چمکا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۷۸) میں ہوا۔ لیکن سال کا آغاز مکہ سے رخصت ہونے کے دن سے نہیں کیا گیا۔ جو ۲ ربیع الاوّل تھا۔ بلکہ محرم سے کیا گیا۔ یکم محرم کو ۱۵ جولائی تھی +

آپ کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت احتیاط سے قلمبند ہو کر ہم تک پہنچے۔

ہم نے اس حیرت انگیز انسان کو ایک یتیم بچے کی صورت میں دیکھا ہے جو شفقتِ پدری سے بالکل ناآشنا رہا۔ اور جو بچپن ہی میں اُلفتِ مادری سے محروم ہو گیا۔ جس کی ابتدائی زندگی حادثات سے پُر ہے۔ وہ ایک متفکر بچپن سے متفکر تر جوانی میں پہنچتا ہے۔ اس کی جوانی ایسی ہی پاکیزہ اور معصوم ہے جیسا کہ اس کا بچپن، اور وہ بڑھاپے میں بھی ویسا ہی عابد و زاہد ہے جیسا کہ جوانی میں۔ ناتوانوں اور غریبوں کے غم و مصیبت کی کہانی سننے کے لئے وہ ہر وقت تیار ہے اور خدا کی مخلوقات کے لئے اس کا دل اُلفت و ہمدردی سے ہمیشہ پُر نظر آتا ہے۔ وہ اس عجز و پاکیزگی سے چلتا ہے کہ راہ چلتے لوگ ٹھہر جاتے ہیں۔ اور ایک دُوسرے کو اشاروں سے بتاتے ہیں "وہ الامین جاتا ہے۔ جو راست باز، نیک اور دیانتدار ہے" وہ ایک مخلص دوست اور محبت کرنے والا خاوند ہے۔ وہ ایک فلاسفر ہے جو موت و زیست کے اسرار افعال انسانی کی ذمہ داریوں اور تخلیق انسانی کے مقصد پر غور کرتا ہے۔ وہ ایک قوم نہیں بلکہ ایک دُنیا کی اصلاح و درستی کا کام اس وقت سنبھالتا ہے۔ جب اس کی ہمّت بندھانے اور تسلّی دینے کے لئے تمام دنیا میں صرف ایک محبت کرنے والا دل ہے۔ بہکانے سے اس کے استقلال میں فرق نہیں آتا۔ اور ظلم و جور اُسے مایوس نہیں کر سکتے۔ وہ ایک غیر مغلوب جوش

کے ساتھ اپنے مفوضہ کام کی انجام دہی کے لیئے کوشش کیئے جاتا ہے۔ اس کا پاکیزہ اور پُرعظمت چال چلن، خدا کے فضل و کرم پر اس کا یقین راسخ جوق جوق جان نثاروں کو اُس کے گرد جمع کر دیتا ہے۔ اور جب سخت ترین آزمائش کا وقت آتا ہے تو وہ ایک فرض شناس ناخدا کی طرح نہایت ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر کھڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تمام مسافر خطرے سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہ خود ساحل پر قدم رکھتا ہے۔ پھر ہم اسے لوگوں کا بادشاہ، انسانی دلوں کا حکمران، قائد، قانون دان اور حاکم اعلےٰ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ لیکن بغیر کسی کبر و غرور کے اسی عجز و انکسار کے ساتھ۔ اب اس کے حالات اُس دولت عامہ کے حالات میں مدغم ہو چکے ہیں۔ جس کا وہ مرکز تھا۔ اب وہی ہادی جو اپنے کپڑوں کی مرمت اپنے ہاتھ سے کیا کرتا تھا۔ اور اکثر فاقہ ہی سے گذار لیا کرتا تھا۔ دنیا کے قوی ترین بادشاہوں سے قوی تر تھا +

آنحضرتؐ نے لوگوں کو دکھا دیا کہ وہ کیا ہیں۔ آپ کے شریفانہ طرز عمل، آپ کی مضبوط دوستی، آپ کی ہمت و جفا کشی اور سب سے بڑھ کر اعلائے حق کے لئے آپ کے جوش اور سرگرمی نے اس ہیرو کو ظاہر کر دیا، اُس آقا کو جس کے سر تسلیم خم نہ کرنا اور جس سے محبت نہ کرنا ناممکنات سے تھا۔ اب صرف وقت کا سوال تھا۔ جوں جوں مدینہ کے لوگ آپ کو جانتے گئے جان و دل سے آپ پر نثار ہوتے گئے۔ اور یہ جوش آگ کی طرح قبائل میں پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن

تمام عرب رسولؐ خدا کے قدموں میں پڑا تھا۔ دنیا کا کوئی شہنشاہ اپنے تاج و تخت کے زور سے اس اطاعت کا مرکز نہیں بن سکا۔ جس اطاعت کا مرکز یہ گدڑی پوش تھا۔ جس کی عبا میں اس کے اپنے ہاتھ کے لگے ہوئے کئی پیوند ہوتے۔ آپ کے قبضے میں لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لینے کی طاقت تھی لیکن آپ میں وہ شرافت تھی جس نے سوائے نیکی کے اسے کسی جگہ استعمال نہیں کیا ۔

مدینہ منورہ جس کے کئی نام ہیں۔ مکہ سے شمال کی طرف گیارہ دن کی مسافت پر واقع ہے ۔ اُن دنوں یہ شہر بیرونی حملوں کے لئے بالکل کھلا تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے قریش کے خوف سے اس کے گرد فصیل کھینچ دی ۔ یہ شہر ایک عمالکی سردار نے آباد کیا تھا ۔ اور آپ کے ورود سے قبل اُسی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پُرانے زمانے میں یثرب اور اس کے گردو نواح میں عمالکی ہی آباد تھے لیکن انہیں ان یہودی نو آبادوں نے مٹا دیا جو بابلی، یونانی اور رُومی ظلم و جور سے بھاگ بھاگ کر عرب میں پناہ گزیں ہوئے اور شمالی حجاز میں آباد ہو گئے ۔ ان میں سے مقتدر ترین نو آبادیاں صرف تین تھیں۔ خیبر میں بنو نضیر، فدک میں بنی قریظہ، اور مدینہ کے متصل بنو قینقاع، یہ لوگ مضبوط قلعوں میں رہتے تھے اور ہمسایہ عربی قبائل پر حکومت کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ دو قحطانی قبائل اوس اور خزرج یثرب میں آباد ہوئے ۔ اُنہوں نے پہلے تو یہودیوں کی محکومی قبول کر لی لیکن آہستہ آہستہ اُنہیں باج گذار بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ زیادہ مُدت نہ گزری تھی کہ آپس ہی میں ان کے

جھگڑے شروع ہو گئے۔ اور زمانہ بعثتِ نبوت کے قریب ہی اُنہوں نے اِس طویل جنگ کو ختم کیا اور امن قائم کرنے میں کامیاب ہوئے +

یہ تھی یثرب کی سیاسی حالت، جب آپ یہاں آئے اور آپ کے ورُود سے شہر کے لئے ایک نیا دَور شروع ہوُا۔ اوس اور خزرج کی پُرانی دشمنیاں اور خونریزیاں اخوتِ اسلامی نے بھلا دیں۔ وہ اسلام کے علم کے گرد جمع ہو گئے اور دولتِ عامۂ اسلام کا قلب بن گئے۔ پُرانے امتیازات مٹا دیئے گئے۔ اور ہر اُس شخص کے لئے جس نے آزمائش کے وقت اسلام کی مدد کی تھی انصار کا لقب تجویز ہوُا۔ اس وفادار گروہ کے لئے جس نے اسلام کے لئے اپنا محبوب وطن چھوڑا اور تمام رشتہ ہائے قرابت کو توڑا مہاجرین کا نام تجویز ہوُا +

انصار اور مہاجرین کے تعلقات کو مضبوط تر کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے ان میں رشتۂ اخوت قائم کیا۔ جس نے دونوں کو شادی و غم میں ایک دُوسرے کا ساجھی بنا دیا +

یثرب کا نام بدل گیا اور اب وہ مدینۃ النبی کہلانے لگا +

جلد ہی ایک مسجد بنائی گئی جس کی تعمیر میں آنحضرتؐ نے بہ نفسِ نفیس حصّہ لیا۔ اس کے گرد مہاجرین کے مکانات کھڑے کیئے گئے۔ یہ زمین دو بھائیوں کی ملکیت تھی۔ جنہوں نے اسے بلا معاوضہ دینا چاہا۔ لیکن چونکہ وہ یتیم تھے۔ اِس لئے آپ نے اُس کی قیمت ادا کر دی +

مسجد کی عمارت سادہ تھی اور اس سادہ مذہب کے لئے جس کی آپ تعلیم دیتے تھے نہایت موزون تھی۔ اس کی دیواریں اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں۔ اور چھت کھجور کے پتوں سے۔ مسجد کا ایک حصہ ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا جن کا اپنا کوئی گھر بار نہ تھا۔

اس غریبانہ عبادت گاہ میں ہر بات سادگی سے عمل میں آتی تھی۔ آنحضرتؐ خود ننگی زمین پر نماز ادا فرماتے۔ ایک کھجور کے تنے کے سہارے وعظ کرتے۔ اور ان دل ہلا دینے والے الفاظ کو سن کر آپ کے گرد جاں نثار دل ایک ہم آہنگی سے حرکت کرنے لگتے۔

آپ فرماتے "جو شخص خدا کی مخلوق اور اپنی اولاد سے محبت نہیں کرتا۔ خدا اس سے محبت نہیں کرے گا۔ ہر مسلمان جو کسی ننگے کو کپڑے پہنائے گا خدا اُسے بہشت میں سبز خلعت پہنائے گا"۔

ایک وعظ کے دوران میں آپ نے مسئلہ خیرات کو اس طرح بیان فرمایا "جب خدا تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ لرزتی اور کانپتی تھی۔ یہاں تک کہ خدا نے اس پر پہاڑ مسلط کر دیئے تاکہ وہ پختہ ہو جائے"۔ فرشتوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "اے خدا! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زبردست بھی کوئی چیز ہے؟ خدا نے جواب دیا۔ ہاں، لوہا زیادہ زبردست ہے کیونکہ وہ پہاڑیوں کو توڑ سکتا ہے۔

"اور کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز لوہے سے زبردست بھی ہے؟"

"ہاں! آگ زیادہ زبردست ہے جو اسے پگھلا دیتی ہے"

"اور کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز آگ سے زیادہ زبردست بھی ہے؟"

"ہاں! پانی جو اسے بجھا دیتا ہے"

"اے خدا تیری مخلوق میں پانی سے زیادہ زبردست بھی کوئی چیز ہے؟"

"ہاں! ہوا جو پانی پر غالب آجاتی ہے اور اُسے اُڑائے لئے پھرتی ہے"

"اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز ہوا سے زیادہ زبردست بھی ہے؟"

"ہاں! ایک نیک انسان جو دائیں ہاتھ سے خیرات دیتا ہے۔ اور بائیں ہاتھ سے چھپاتا ہے وہ تمام مخلوق سے زبردست ہے"

آپ کی خیرات کی تعریف ہر قسم کے رحم و کرم پر حاوی ہے "ہر نیک کام خیرات ہے۔ تمہارا اپنے بھائی سے خوش اخلاقی سے بولنا خیرات ہے۔ اپنے ہمجنس کو نیکی کی تلقین کرنا خیرات ہے، مسافر کو راستہ بتانا خیرات ہے، اندھے کی دستگیری کرنا خیرات ہے، راستے سے کانٹے اور پتھر اُٹھانا خیرات ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا خیرات ہے" عقبیٰ میں انسان کی دولت وہ نیکیاں ہیں جو اس دُنیا میں وہ اپنے ہم جنسوں سے کر جاتا ہے۔ جب کوئی مرتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا جائداد چھوڑ مرا ہے؟ لیکن فرشتے جو اس کی قبر میں آئیں گے پوچھیں گے کہ تم نے کون سے نیک اعمال اپنے آگے بھیجے ہیں؟

ایک صحابی نے پوچھا "یا رسول اللہ! میری ماں اُم سعد فوت ہوگئی ہیں۔ بہترین خیرات کونسی ہے جسے میں اُس کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے دے سکتا ہوں"۔ آپ نے صحرا کی تپش اور پانی کی قلت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فرمایا "پانی۔ اُس کے لئے کنوآں کھدواؤ۔ اور پیاسوں کو پانی پلاؤ"۔ اُس نے ایک کنوآں کھدوایا اور کہا۔ کہ "میں اسے اپنی ماں کے نام پر کھدواتا ہوں۔ تاکہ اس کا اجر اس کی روح کو ملے"۔

ارونگ لکھتا ہے کہ زبان کی خیرات جو اہم ترین خیرات ہے۔ اور جس پر عموماً بہت کم توجہ کی جاتی ہے آنحضرتؐ اس کے متعلق خاص طور پر ہدایت فرماتے؛ ابُوجاریہ بصرہ کا ایک باشندہ مدینہ سے آنحضرتؐ کے پاس آیا اور ایمان لانے کے بعد آپ سے کوئی نصیحت کرنے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا "کسی کے لئے بُرے الفاظ استعمال نہ کیا کرو"۔ ابُوجاریہ کہتا ہے کہ "میں نے اس وقت سے لے کر کبھی کسی آزاد یا غلام سے بدگوئی نہیں کی"۔

اسلامی تعلیمات زندگی کی عام تواضعات تک پھیلی ہوئی ہیں "کسی گھر میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت گھر والوں کو سلام کرو، دوستوں، آشناؤں اور مسافروں کے سلام کا جواب دو، سوار پیادہ چلنے والے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، چھوٹا گروہ بڑے گروہ کو، اور چھوٹا بزرگ کو سلام کرنے میں سبقت کرے"۔

چوتھا باب

قریش اور یہود کی دشمنی

بلغ اللہ صلاتی وسلامی ابدًا　　لنبیٍ عربیٍ مدنیٍ حرمٍ
شمس فضلٍ وضیاءٍ وسناءٍ استی　　نور بدرٍ وبہاءٍ وسماء الکرمٍ
اکرم الخلق وجودًا وسجودًا وجودٍ　　احسن الناس سخاءً بعطاء النعمٍ

سنہ ۱ھ۔ اپریل ۶۲۲ء سے ۷ رمئی ۶۲۳ء تک۔

اس وقت مدینے میں تین مقتدر گروہ تھے۔ مہاجرین اور انصار اسلام کا قلب تھے۔ رسول اللہؐ کے لئے ان کی جاں نثاری اور محبت بے حد بڑھی ہوئی تھی۔ مہاجرین نے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنی تمام عربی روایات کے خلاف، اسلام کے لئے خویش و اقربا کے رشتوں کو قطع کر دیا تھا۔ وہ تمام تکالیف میں ثابت قدم رہے۔ اور خدائے تعالیٰ کے لئے تمام تحریصات کو ٹھکرا دیا۔ ان میں سے اکثر بالکل تہیدست تھے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور بعض نے اپنے مال و متاع میں انہیں بھی

برابر کا شریک کر لیا۔ رسول اللہ کے تدبر نے جو اخوتِ اسلامی قائم کی تھی۔ جہاں اس نے جذباتِ رقابت کو روکا، وہاں مہاجرین و انصار دونوں میں ایک شریفانہ مقابلہ بھی کھڑا کر دیا۔ کہ دیکھیں خدا اور اُس کے رسولؐ کی راہ میں اپنے مال و متاع قربان کرنے میں کون سبقت لے جاتا ہے۔ جس جوش و سرگرمی سے یہ لوگ اسلام کی ترقی میں حصہ لے رہے تھے اور جس اشتیاق سے اپنی جانیں پیش کر رہے تھے اس کی مثال مذہب عیسوی کے زمانہ نشو و ارتقا کے بعد دیکھنے میں نہ آئی تھی۔

دوسرا اہم گروہ منافقین کا تھا جس کا میلانِ خاطر زیادہ بت پرستی کی طرف تھا۔ ان کا سر گروہ عبداللہ بن اُبی تھا۔ جو مدینہ کی بادشاہت کا آرزومند تھا۔ اُس نے اپنے گرد ابوسفیان کی طرح اپنے طرفداروں کی ایک زبردست جماعت بنا رکھی تھی۔ وہ اپنی حکومت کا اعلان کرنے ہی والا تھا کہ آنحضرتؐ کی آمد نے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ عوام کے جوش نے اسے اور اس کی جماعت کو بھی اسلام کا (نام نہاد) اقرار کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن ذرا سا موقع بھی انہیں ہاتھ آجاتا تو بغاوت پر آمادہ ہو جاتے۔ وہ مسلمانوں کی نوزائید جمہوریت کے لئے سخت خطرناک تھے۔ اِس لئے آنحضرتؐ کو اُن کی طرف سے ہر وقت خدشہ رہتا تھا آپ ان لوگوں کے ساتھ نہایت صبر و تحمل کا برتاؤ کرتے۔ اِس اُمید پر کہ انجام کار آپ انہیں مسلمان کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ کی یہ اُمید آخر کار پوری ہوئی۔ عبداللہ بن اُبی کی موت پر منافقین کا گروہ کچھ مدت کے لئے

نظروں سے غائب ہوگیا لہ

تیسرا خطرناک ترین عنصر یہودیوں کا گروہ تھا۔ قریش سے ان کے بہت گہرے کاروباری تعلقات تھے۔ اور ان کی شاخیں مسلمانوں کے کئی دشمن علاقوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ابتدا میں یہ آنحضرتؐ کی تعلیمات کو کسی قدر استحسان کی نگاہ دیکھتے رہے وہ سمجھتے تھے کہ وہ یقیناً ان کا موعود مسیحا تو نہیں ہوسکتا لیکن کسی وقت شاید یہی بلندی کے خواب دیکھنے والا کمزور اور غریب واعظ اوس اور خزرج کی مدد سے عرب کو فتح کرے۔ اور انہیں یہوواہ کی سلطنت قائم کرنے کا موقع مل جائے۔ اسی خیال سے وہ آنحضرتؐ کا استقبال کرنے میں اوپری دل سے مدینہ والوں کے ساتھ شامل ہوگئے۔ اور کچھ مدت کے لئے صلح پسندانہ طرز عمل اختیار کئے رہے۔ لیکن یہ تھوڑی ہی مدت کے لئے تھا۔ کیونکہ بمشکل ایک مہینہ گزرا ہوگا کہ ان کے پرانے جذباتِ بغاوت بھڑک اٹھے۔ وہی خصلت جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے رسولوں کو مصلوب کر دیا تھا اب علانیہ بغاوت اور خفیہ سازشوں میں ظاہر ہونے لگی۔ ورُود مدینہ پر آنحضرتؐ نے پہلا کام یہ کیا کہ مختلف دشمن عناصر کو جو مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں آباد تھے عہد و پیمان سے آپس میں متحد کر دیا۔ اس مقصد کے لئے آپ نے باشندوں کو ایک عہد نامہ عطا کیا جس میں مسلمانوں کے آپس

لہ منافقین کا فرقہ مکمل طور پر کبھی نابود نہیں ہوا۔ اور جسد سیاست اسلامیہ پر ہمیشہ اپنے تباہ کن اثرات ڈالتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر افریقہ کے خارجی فرقہ پر غور کرو +

میں اور مسلمانوں اور یہودیوں کے ایک دُوسرے پر حقوق و واجبات صاف طور پر مقرر فرما دیئے۔ یہودیوں نے عام حالات کے زیر اثر نہایت خوشی سے اسے منظور کر لیا تھا۔ یہ دستاویز جو ابن ہشام کے اوراق میں تفصیلاً محفوظ ہے۔ اس انسان کی حقیقی عظمت کی شاہد ہے۔ ایک کامل انسان نہ صرف اپنے زمانہ کا جیسا کہ مؤرّ لکھتا ہے۔ بلکہ تمام زمانوں کا، وہ کوئی پریشان خواب دیکھنے والا نہیں ہے جو نظامِ معاشرت کے موجودہ اجزا الگ الگ کر رہا ہو۔ بلکہ ایک بے نظیر مُدبّر ہے جو اس یاس انگیز افتراق و تشتّت کے زمانہ میں اس سامان اور تدبّر کے ساتھ جو خدا نے اُسے مہیا کر رکھے ہیں انسانیت اور رحم دلی کی بنیاد پر ایک سلطنت، ایک جمہوریت، ایک معاشرت کی تعمیر کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔ اِس عہد نامے کا پہلا حصّہ جسے آزادئ ضمیر کا پہلا باب کہنا چاہیئے اس طرح شروع ہوتا ہے:۔

"اللہ کے نام سے شروع کیا جاتا ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ محمد رسُول اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ خواہ وہ قریش ہوں یا یثربی اور ان کے علاوہ ان تمام افراد کے ساتھ خواہ وہ کسی قبیلہ یا قوم سے ہوں لیکن مسلمانوں کے مقاصد سے متفق ہوں معاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام ایک قوم شمار ہوں گے" اس کے بعد چند قبائل سے دیت کی ادائیگی کے قواعد مقرر کئے گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کے آپس میں ذاتی فرائض کے قوانین بیان کرنے کے بعد لکھا ہے" صلح و امن تمام مسلمانوں کے لئے مشترک ہوں گے۔ اپنے ہم مذہبوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی

شخص کو بطورِ خود صلح کرنے یا جنگ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ یہودی جنہوں نے ہماری جمہوریت سے الحاق کر لیا ہے۔ ہر قسم کی توہین و تشدد سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ ان کو ملکی حقوق اور عہدے مسلمانوں کے برابر ملیں گے اور انہیں ہر قسم کی امداد دی جائے گی۔ مختلف قبائل کے یہودی عوف، نجار، حارث، جشم، ثعلبہ، اوس اور دوسرے جو یثرب میں آباد ہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم شمار ہوں گے، اور ان کو اپنے احکام مذہب کی بجا آوری میں ویسی آزادی ہوگی جیسی کہ مسلمانوں کو اور ان کے دوستدار اور حلیف بھی اس آزادی و تحفظ سے متمتع ہوں گے۔ مجرم سے مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی۔ یثرب کو تمام دشمنوں سے بچانے کے لئے یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ ان تمام لوگوں کے لئے جو اس عہدنامہ کو قبول کرتے ہیں اندرونِ یثرب قابلِ احترام ہوگا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے دوستدار اور حلیف قبائل کی ویسی ہی عزت کی جائے گی جیسی کہ اُن کے سرپرستوں کی کی جاتی ہے۔ ہر سچا مسلمان اس شخص سے نفرت کرے گا جو کسی جرم، ناانصافی یا تخریبی کام کا مرتکب ہو۔ کوئی شخص مجرم کی امداد نہیں کرے گا۔ خواہ وہ اس کا قریب ترین رشتہ دار ہو۔" سلطنت کے چند انتظامی امور کے تذکرہ کے بعد یہ حیرت انگیز دستاویز اس طرح ختم ہوتی ہے "آئندہ تمام جھگڑے جو اُن لوگوں کے درمیان پیدا ہوں گے جنہوں نے اس عہدنامہ کو قبول کیا ہے فیصلے کے لئے رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔"

اس طرح عربوں کی بدعملی کو ایک آخری جان لیوا دھچکا لگا۔ کیونکہ اس سے قبل مظلوم کو انتقام لینے یا انصاف کرانے کے لئے اپنی یا اپنے اقربا کی طاقت پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ اس عہد نامے کی رُو سے آپ حاکم اعلیٰ مقرر ہوئے +

۲ سنہ ہ۔ ۷ مئی سنہ ۶۲۳ء سے ۲۶ اپریل سنہ ۶۲۴ء تک

بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع کے یہودی قبائل جو مدینہ کے قرب وجوار میں آباد تھے اس عہد نامہ میں شامل نہ ہوئے لیکن کچھ مدت بعد اُنہوں نے بھی خوشی کے ساتھ ان شرائط کو قبول کر لیا۔ لیکن آنحضرتؐ کے تمام الطاف و اکرام یہود کو کسی طرح مطمئن نہ کر سکے۔ کوئی بات ان کے جذباتِ عداوت کو مٹا نہ سکی۔ اس بات سے ناراض ہو کر کہ وہ آنحضرتؐ کو تمام عرب کے یہودی بنانے میں آلۂ کار نہیں بنا سکتے اور اس لئے کہ اسلام کے عقاید یہودیت کے مقابلہ میں نہایت سادہ ہیں۔ اُنہوں نے مسلمانوں سے تعلقات منقطع کر لئے۔ اور دشمن کی صف میں جا ملے۔ جب اُن سے پوچھا جاتا کہ وہ بُت پرستی اور اسلام میں سے کس مذہب کو پسند کرتے ہیں تو اُن کا جواب اکثر عیسائی کج بحثوں کی طرح یہی ہوتا کہ ہم بُت پرستی کو اس کی تمام بُرائیوں کے باوجود اسلام پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ بدزبانی پر اُتر آئے" اپنی زبانوں کو بل دے دے کر" قرآن کے الفاظ اور کلمات نماز کا تلفظ بگاڑتے اور اُنہیں بے معنی کر دیتے، یا کلماتِ کفر بنا دیتے۔ یہودی شعرا جو اس وقت بہت کثرت سے موجود تھے تہذیب و شرافت کو بالائے طاق رکھ کر مسلمان مستورات کی شان میں نہایت مکروہ اشعار کہتے

لیکن اس سے اُن کا دل ٹھنڈا نہ ہوا اور اُنہوں نے اسی سلطنت کے دشمنوں کے پاس، جس کی حفاظت میں وہ خود بھی تھے، ایلچی بھیجے۔ قریش جو آنحضرتؐ کے قتل پر ادھار کھائے بیٹھے تھے عبداللہ بن اُبی کے گروہ اور غدار اسرائیلیوں کی عنایت سے مسلمانوں کی کمزور حالت سے بخوبی واقف تھے۔ اُنہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہودیوں نے وقتی ضرورت کے ماتحت عارضی طور پر آنحضرتؐ سے اتحاد کیا ہے اور ان کے مدینہ کے قریب ظاہر ہوتے ہی یہوواہ کے پرستار مسلمانوں کو چھوڑ کر فوراً اُن سے آملیں گے۔

چنانچہ اب مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش کا وقت آن پہنچا۔ آنحضرتؐ شہر کے تحفظ اور مسلمانوں کی تنظیم سے ابھی فارغ نہ پائے تھے کہ حملے شروع ہو گئے۔ تمام مدینہ بغاوت اور سازشوں سے بھر گیا۔ اب آنحضرتؐ کا فرض تھا کہ شہر کو کسی ناگہانی اندرونی آفت سے بچانے یا بیرونی حملہ کی مدافعت کے لئے سخت تر وسائل اختیار کرتے۔ آپ صرف اسلام کے مُبلّغ ہی نہ تھے بلکہ لوگوں کی جانوں اور آزادیوں کے محافظ بھی تھے۔ پیغمبر کی حیثیت سے آپ دشمنوں کی بدزبانی اور دشنام دہی کو تو برداشت کر سکتے تھے لیکن سلطنت کے حاکم کی حیثیت سے، "تقریباً ایک مسلسل جنگ کے جرنیل" کی حیثیت سے، جبکہ مدینہ کا نظم ونسق فوجی قوانین کے ماتحت عمل میں آ رہا تھا آپ اس دغابازی کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ رعایا کے تحفظ کا فرض آپ کو مجبور کرتا تھا کہ آپ ایسے گروہ کو دبا دیں جو شہر کو دشمنوں سے تاخت و تاراج

کرا دینے والا تھا۔ بلکہ جس نے کرا دیا۔ ملک کے تحفظ کا تقاضا تھا کہ ایسے غداروں کو قتل کر دیا جائے جو مدینہ کے اندر بغاوت کا بیج بو رہے تھے یا اپنے مشترکہ دشمن کو اطلاعات بہم پہنچا رہے تھے۔ تقریباً نصف درجن آدمی غدّار قرار دے کر قتل کر دیئے گئے۔ ہم ان قتل کے واقعات کو قبل از وقت بیان کر رہے ہیں۔

اِس سے قبل کہ آنحضرتؐ کو خدا کی طرف سے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت ملے قریش کی فوجیں میدانِ جنگ میں آ پہنچیں۔

وہ جس نے تمام عمر میں کبھی ہتھیار نہ چلایا تھا جس کا دل انسانی تکالیف دیکھ کر درد اور رحم سے بھر آتا تھا اور وہ جو عرب کے تمام آئینِ مردانگی کے خلاف اپنے بچّوں اور اپنے متبعین کی موت پر رویا کرتا تھا، جس کی نرم دلی اور جس کے دردمندانہ طرزِ عمل نے اُسے دشمنوں سے نسائیت کا طعنہ دلوایا، وہی انسان حالات سے مجبور ہو کر اور اپنی طبیعت کے خلاف دشمن کے حملوں کو اسلحہ اور فوج سے روکتا ہے۔ اپنی حفاظت کے لئے اپنے متبعین کو منظّم کرتا ہے اور اکثر دشمن کے غدّارانہ اور ناگہانی حملوں کی روک تھام کے لئے مُہمیں بھیجتا ہے۔ اس وقت عربی جنگوں کا یہی قاعدہ تھا کہ رات کے وقت یا صبح کے دُھندلکے میں دشمن کی لاعلمی میں خونریز چھاپے مارتے تھے۔ اگر دشمن خبردار ہوتا تو ایک ایک دو دو آدمی مقابلے پر آتے یا ایک عام حملہ کر دیا جاتا۔ آنحضرتؐ کو اپنی قوم کی عادات کا پورا پورا علم تھا اس لئے آپ ایسے ناگہانی حملوں کی مدافعت کے لئے چھوٹی چھوٹی

مُہمیں بھیجتے رہتے ہیں ۔

مکیّوں اور ان کے اتحادیوں نے مدینہ کے قرب و جوار پر حملے شروع کر دیئے۔ وہ مسلمانوں کے پھلدار درختوں کو تباہ کر دیتے اور ان کے گلّوں کو ہانک کر لے جاتے۔ ابُوجہل کی سرکردگی میں ایک ہزار سپاہیوں کی فوج جنگی سازو سامان سے آراستہ مسلمانوں کے تباہ کرنے اور اپنے ایک قافلہ کی حفاظت کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ مسلمانوں کو وقت پر اس کی اطلاع مل گئی۔ اور وہ تین سو کی تعداد میں کفّار کی پیش بندی کے لئے بدر کی وادی میں پہنچ گئے جب آنحضرتؐ نے کفار کی فوج کو نہایت متکبّرانہ انداز سے وادی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر وفاداروں کے اس چھوٹے سے گروہ کے تحفّظ کی دُعا مانگی "۔ اے خدا! اپنی امداد کے وعدہ کو نہ بھُولنا۔ اے خدا! اگر یہ چھوٹا سا گروہ فنا ہوگیا تو تیری حقیقی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا "۔

قریش کی فوج سے تین آدمی میدان میں نکلے اور عربوں کے دستور کے مطابق مسلمانوں سے مبارزطلبی کی۔ ان کے مقابلہ کے لئے حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ بڑھے اور فتحیاب ہو کر واپس آئے۔ پھر عام حملہ کر دیا گیا جس میں مسلمانوں کے پاؤں ڈگمگاتے ہوئے معلوم ہوئے۔ لیکن آنحضرتؐ کے پُرجوش الفاظ نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ یہ سرما کا ایک طوفانی دن تھا۔ وادی میں سخت آندھی کا

ایک زبردست طوفان چل رہا تھا"۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمانی فرشتے مسلمانوں کی طرف سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور بے شک آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کے ایمانداروں جو قدرت کے ہر عطیہ میں، زندگی کے ہر شعبہ میں، انفرادی یا عمومی معاملات کے ہر تبدل میں خدائے تعالیٰ ہی کے ہاتھ کو کارفرما دیکھتے تھے۔ اُن کے لئے ہوا اور ریت کا یہ جھگڑا، دشمنانِ خدا کے ساتھ ایسے نازک موقع پر عناصر کی یہ جنگ خدائے تعالےٰ کی امداد کا ایک بیّن ثبوت تھا۔ ان کے لئے ایسا ہی تھا جیسے فرشتے ہوا کے پروں پر سوار کفار کو نہایت ابتری سے ہانکتے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔ مکیوں کو شدید نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ ان کے بہت سے سردار مارے گئے۔ جن میں ابوجہل بھی اپنے غرور و تکبر کی سزا کو پہنچا +

بہت سے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے جن میں سے صرف دو کو قتل کیا گیا۔ یہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے اس لئے عربوں کے قانون جنگ کے مطابق انہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑی +

باقی قیدیوں کے ساتھ عربوں کے تمام دستور و روایات کے خلاف نہایت رحمدلی کا برتاؤ کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے تاکیدی احکام جاری کئے۔ کہ اس مصیبت میں ان کی تحقیر نہ کی جائے، اور ان سے نرمی کا سلوک کیا جائے۔ جن مسلمانوں کے سپرد قیدی کئے گئے تھے۔ اُنہوں نے آپ کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا۔ یہ لوگ اپنا بہترین کھانا قیدیوں کو کھلا دیتے اور خود صرف کھجوروں پر

گذر اوقات کر لیتے[۱]

مالِ غنیمت کی تقسیم نے مسلمان سپاہیوں میں جھگڑے پیدا کر دیئے آنحضرتؐ نے اُس وقت تو سب کو مساوی حصہ دے کر اس جھگڑے کو ختم کر دیا[۲]۔ لیکن چونکہ ایسے جھگڑوں سے بے اُصول لوگوں میں بات کے بڑھ جانے کا امکان تھا۔ اس لیئے قرآن نے سُورۂ انفال میں مالِ غنیمت کے متعلق ایک قطعی فیصلہ دے کر ہمیشہ کے لئے ان جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے مطابق مالِ غنیمت رئیس جمہوریت کے فیصلے پر چھوڑ دیا گیا۔ اور کل مال کا پانچواں حصہ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کے لیئے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم ہؤا +

---

[۱] مُور اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے "آنحضرتؐ کے احکام کی تعمیل میں مدینہ والوں نے اور ان مہاجرین نے جن کا کوئی مکان مدینہ میں نہ تھا۔ قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ زمانہ مابعد میں ایک قیدی نے کہا " خدا کی رحمت ہو مدینہ والوں پر، وہ ہمیں سواری دیتے۔ اور خود پیدل چلتے تھے۔ اور ہمیں گیہوں کی روٹی کھلاتے۔ جبکہ وہ خود کھجوروں پر قناعت کرتے تھے "+

[۲] سیل لکھتا ہے " یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے کہ محمد (صلعم) کی فوج میں بدر کے مالِ غنیمت پر جھگڑا بالکل اسی طرح پر شروع ہؤا جس طرح حضرت داؤد کی فوجوں میں عمالکی مالِ غنیمت پر ہؤا تھا۔ جو لوگ جنگ میں شریک تھے وہ اس بات پر مُصِر ہوئے کہ مال و اسباب کی نگرانی کرنیوالوں کو جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے کوئی حصہ نہ دیا جائے۔ لیکن دونوں صُورتوں میں ایک ہی فیصلہ دیا گیا۔ جو مستقبل میں قانون بن گیا کہ سب کو مساوی حصہ ملنا چاہیئے +

ان عجیب و غریب اتفاقات نے جو بدر کی فتح کا باعث ہوئے اور ان نتائج نے جو اس فتح سے پیدا ہوئے مسلمانوں کے دل پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ آسمانی فرشتوں نے ان کی طرف سے کفار کے ساتھ جنگ کی ہے +

حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کی طرح آنحضرتؐ بھی خدائے تعالےٰ کے پیغامات انسان تک پہنچانے والی درمیانی ہستیوں کی موجودگی کے قائل تھے۔ فرشتوں کے متعلق جدید نظریہ ہمارے آباؤاجداد کے عقاید کا بطلان کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ ہمارا انکار اور اُن کا اقرار دونوں کا درجہ قیاس سے زیادہ نہیں، فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک منفی ہے اور دوسرا مثبت۔ جس چیز کو زمانہ جدید کی نظر میں عناصر قدرت کی صورت میں دیکھتی ہیں۔ اس چیز کو فرشتوں سے تعبیر کرتے تھے جو احکام ربانی کے حامل سمجھے جاتے تھے یا جیسا کہ لاک کا خیال ہے ممکن ہے ایسی درمیانی ہستیوں کا وجود ہو جو خدائے تعالےٰ اور انسان کے درمیان کارفرما ہوں بالکل اسی طرح جس طرح انسان اور تخلیق حیوانی کی ادنےٰ ترین صورتوں میں موجود ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا گہرا سوال ہے جہاں تک عقلِ انسانی کی رسائی محال ہے +

حضرت عیسیٰؑ کی طرح آنحضرتؐ بھی ایک بدی کے مصدر (شیطان) کے وجود کے قائل تھے۔ لیکن جب آپ کے الفاظ کا تجزیہ کیا گیا۔ تو یہ ایک نہایت حکیمانہ بات ظاہر ہوئی اور لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک تصور ثابت ہوا جسے عام فہم الفاظ کا جامہ پہنایا گیا تھا۔ جب ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ شیطان

کہاں رہتا ہے ؟ آپ نے فرمایا " انسان کے دل میں "

نوٹ :۔ عقبہ بن ابو معیط کی فریاد پر جبکہ اسے مقتل کی طرف لے جا رہے تھے آنحضرتؐ کے غیر ہمدردانہ جواب کا افسانہ بالکل بے بنیاد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب آخری وقت اُس نے کہا " میرے بعد میرے بچوں کی خبر گیری کون کرے گا " تو آنحضرتؐ نے جواب میں کہا کہ " جہنم کی آگ " یہ افسانہ آپ کے حقیقی طرزِ عمل کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اپنی تکذیب آپ کر رہا ہے ۔ وہ شخص جس کا نمایاں ترین وصف بچوں سے محبت کرنا تھا ، وہ جو یتیموں سے شفقت اور اُن کی سرپرستی کرنا انسانیت کا اوّلین فرض سمجھتا تھا اور وہ جو خدا کے نزدیک مقبول ترین عمل اسی کو سمجھتا تھا ۔ ایسے شخص کے متعلق اس واقعے کو منسوب کرنا سخت غلطی ہے ۔ لیکن چونکہ عیسائی مصنّفین اس واقعے کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں ۔ اِس لئے ضروری ہے کہ اِس حقیقت کو بے نقاب کیا جائے ۔

اِس کی اصلیت غالباً " صِبْیَۃُ النار " (آگ کے بچے) ہے کیونکہ عقبہ کے بچے اس نام سے پکارے جاتے تھے ۔ عقبہ خود قبیلہ اجلان سے تھا جس کی ایک شاخ وادی صفرا کے قریب آباد تھی ۔ یہ لوگ " بنی النار " (آگ کی اولاد) کہلاتے تھے ۔ اس بنیاد پر یہ قصہ وضع کر لیا

گیا ہے +

ایسا ہی ایک اور واقعہ رنگ آمیزی کے بعد آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ کفار کے مُردوں کو دفن کرتے وقت آپ نے اُنہیں سخت اور دُرشت الفاظ سے مخاطب کیا۔ طبری اس واقعہ کو جس سے یہ الزام تراشا گیا ہے۔ اس طرح بیان کرتا ہے "آنحضرتؐ اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو گئے جواں نعشوں کو دفن کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ ہر ایک نعش کو قبر میں اُتارتے وقت اُس کا نام بتایا گیا پھر آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔" اے میرے اقربا! تم نے مجھے جھوٹا کہا۔ جبکہ دوسرے مجھ پر ایمان لائے۔ تم نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ جبکہ دوسروں نے میرا استقبال کیا۔ آہ، تمہارا کیا انجام ہونیوالا تھا۔ افسوس، خدا کا وعدہ پورا ہو کے رہا۔" یہ الفاظ جو صریحاً رحم و تاسف کے لئے کہے گئے تھے ظلم و درشتی سے تعبیر کئے جاتے ہیں +



پانچواں باب

یہودیوں اور عربوں کی دشمنی

۲ھ مطابق ۶۲۴ء

کَالزَّھرِ فِی تَرَفٍ وَالبَدرُ فِی شَرَفٍ وَالبَحرُ فِی کَرَمٍ وَالدَّھرُ فِی ھِمَمٍ

سنہ ۲ھ

کامیابی سچائی کی بہترین کسوٹی ہے۔ عیسائیت کے ابتدائی زمانہ میں بھی اس نیک قریشی نے کہا تھا "انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگر یہ لوگ جھوٹے ہیں تو خود بخود نابود ہو جائیں گے۔ ورنہ تم خود تباہ ہو جاؤ گے"۔ اگر قسطنطین نے آسمان پر صلیب نہ دیکھی ہوتی یا اسے یہ خیال نہ ہو گیا ہوتا کہ اس نے آسمان پر صلیب دیکھی ہے۔ اگر وہ اس کی حمایت میں جادۂ فتح و کامرانی پر گامزن نہ ہوتا اور اگر یہ جادۂ فتح و کامرانی تخت حکومت تک اس کی رہبری نہ کرتا تو عیسائیت کا جو حشر ہوتا وہ ظاہر ہے۔ جو اہمیت فتح بدر کو اسلام کے لئے حاصل ہے وہی اہمیت ملوین

کے پُل کی فتح عیسائیت کے لئے رکھتی ہے۔ آیندہ عیسائیت قیاصرہ کے تخت سے حکومت کرنے لگی۔

بدر کی فتح مسلمانوں کے لئے واقعی نہایت مبارک ثابت ہوئی۔ مقامِ تعجب نہیں کہ اُنہوں نے بھی قدیم اسرائیلیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنی فتح میں خدا کا ہاتھ کارفرما دیکھا۔ اگر اس جنگ میں مسلمان ناکام رہتے تو یقیناً اس کا نتیجہ اُن کے حق میں ایک عالمگیر خونریزی کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

اسی مہم کے دوران میں آپ کی ایک صاحبزادی رقیہؓ وفات پاگئیں جو حضرت عثمانؓ سے بیاہی ہوئی تھیں اور جن کو حبشہ سے واپس آئے تھوڑا ہی عرصہ ہؤا تھا لیکن کفار نے جو خواہش انتقام سے جل رہے تھے آپ کو اس خانگی غم میں حصہ لینے کی فرصت نہ دی۔ جب قریش کے تمام قیدی اپنے وطن میں واپس پہنچ گئے تو اُبوسفیان دوسو سوار لے کر مکہ سے نکلا اور قسم کھائی کہ جب تک محمد صلعم اور آپ کے مُتبعین سے انتقام نہ لے لوں گا واپس نہ لوٹوں گا۔ وہ جلد جلد یلغار کرتا ہؤا مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر آ پہنچا اور انسانوں کو قتل کرتا ہؤا اور نخلستانوں کو تباہ کرتا ہؤا بے خبر مسلمانوں پر ایک بلا کی طرح نازل ہوگیا۔ مکّہ والے دورانِ جنگ کے لئے سویق (ستّو) کے تھیلے ساتھ لائے ہوئے تھے۔ جونہی مسلمان اپنے مقتولوں کے انتقام کے لئے مدینہ سے نکلے اہل مکّہ نے پیٹھ پھیر لی اور بھاگے اور اپنے جانوروں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے سویق کے تھیلے راستے میں گراتے گئے۔

اس سے مسلمانوں نے اس جنگ کا نام غزوۃُ السویق رکھا +

۵ ر ذوالحجہ
یکم اپریل ۶۲۴ء

اس موقع پر ایک واقعہ پیش آیا۔ جسے واشنگٹن ارونگ نے نہایت اچھی طرح بیان کیا ہے۔ ایک روز آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے اپنی فوج سے دُور محوِ استراحت تھے کہ کسی آواز سے آپ کی نیند اُچٹ گئی، دیکھا تو غورث بن الحراث ایک دشمن سپاہی تلوار کھینچے آپ کے سر پر کھڑا ہؤا ہے۔ اور کہتا ہے "اے محمدؐ اب تمہیں بچانے والا کون ہے" آپ نے فرمایا "خدا" اِس بات سے بدوی کے دل پر کچھ ایسا رُعب چھا گیا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ نے جلدی سے اُٹھالی اور فرمایا "اے غورث! اب تمہیں بچانے والا کون ہے" سپاہی نے جواب دیا "افسوس! کوئی نہیں" "تو پھر مجھ سے رحم کا سبق سیکھو" یہ کہتے ہوئے آپ نے تلوار واپس کر دی۔ اِس برتاؤ کا اُس پر ایسا اثر ہؤا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اور مستقبل میں آنحضرتؐ کا جاں نثار پیرو ثابت ہؤا +

لیکن کفار اور مسلمانوں کے درمیان یہ چھیڑ چھاڑ آئندہ عظیم الشان جنگوں کی صرف ایک تمہید تھی۔

۳ھ۔ ۲۶ر اپریل ۶۲۴ء
سے ۱۵ر اپریل ۶۲۵ء تک

کفار انتقام کی آگ میں جلے جاتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک اور جنگ کے لئے نہایت خوفناک تیاریاں کر رہے تھے۔ ان کے سفیر قبائل تہامہ اور کنانہ کی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اُن کی متحدہ فوجیں جن کی تعداد تین ہزار سامان جنگ سے

آراستہ سپاہیوں تک پہنچتی تھی۔ جن میں سات سَو زرہ پوش جنگجُو تھے۔ صرف ایک جذبۂ انتقام سے متأثر ہو کر میدان میں نکل آئی تھیں +

یہ فوج سنگدل ابُوسفیان کی سرکردگی میں بغیر کسی رُکاوٹ کے مدینہ کے شمال مشرق کی طرف ایک منتخب جگہ پر ٹھیر گئی۔ اب اُن کے اور مدینہ کے درمیان صرف کوہِ اُحد اور ایک وادی حائل تھی۔ اس محفوظ جگہ سے وہ مدینہ والوں کے کھیتوں اور نخلستانوں پر چھاپے مارتے تھے +

اپنے مال و املاک کی تباہی کو دیکھ کر مسلمان غضبناک ہو گئے۔ ان کے جوش سے متأثر ہو کر آنحضرتؐ ایک ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر مدینہ سے نکلے۔ یہودیوں کی دشمنی اس نازک موقع پر ظاہر ہوئی اور عبداللہ بن اُبی اپنے تین سَو منافقین کی جمعیت لے کر واپس چلا گیا۔ اب مسلمانوں کی قوت صرف سات سَو افراد تک رہ گئی جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ لیکن پھر بھی جانبازوں کا یہ دستہ نہایت استقلال سے بڑھتا گیا۔ اور درختوں کے جھنڈوں کی پناہ لیتا ہؤا اُحد کی پہاڑی پر قابض ہو گیا۔ رات تو اُنہوں نے گھاٹی میں گذاری، اور علی الصباح نماز سے فارغ ہو کر اور ہتھیار پہن کر میدان میں نکل آئے۔ آنحضرتؐ خود پہاڑی کے عین نیچے کھڑے ہو گئے[۱] اور ذرا بلندی پر فوج کی پُشت پر تیراندازوں کا ایک دستہ

---

[۱] برٹن لکھتا ہے۔ تاریخ اسلام کا یہ مشہور ترین مقام کوہِ اُحد کے جنوب کی طرف ایک نشیب قطعۂ زمین ہے۔ کفار کی فوجیں ابوسفیان اور اُس کے بُتوں کو قلب میں لئے ہلال (باقی برصفحہ ۱۰۵)

متعین فرما دیا تھا کہ وہ دشمن کے رسالہ کو اپنی زد میں رکھیں اور مسلمانوں کے پہلو بچائے رکھیں۔ انہیں تاکیدی احکام دیئے گئے کہ خواہ لڑائی کا نتیجہ کچھ ہو وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ قریش اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں اپنے بتوں کو اُٹھائے میدان میں اُترے اُمرا اور رؤسا کی بیویاں رجز گاتی اور دفیں بجاتی ہوئی آگے آگے چلیں[1]۔ قریش کا پہلا

(بقیہ صفحہ ۱۰۴) کی شکل بنائے ہوئے اُٹھی ہیں۔ یہ مقام مدینہ سے شمال کی طرف تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ تمام زمین سرخ ریت کے پتھروں کے ڈھیروں سے بھری پڑی ہے۔ جو شُہدا کی قبروں کے نشان ہیں۔ اس مقام سے پہاڑی پر نظر ڈالو تو دل پر عجیب ہیبت چھا جاتی ہے! اس کے جلے اور کٹے ہوئے پہلو ہے کے تودوں کی طرح میدان سے اُٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اس مضبوط دیوار میں صرف ایک ہی شگاف ہے جس میں مسلمانوں کی فوجوں نے اپنے تیر اندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے خالد بن ولید کے حملے سے پسپا ہو کر پناہ لی تھی۔ اس کی جلا دینے والی لُو میں کوئی درخت، جھاڑی یا گھاس کا ایک پتہ تک نظر نہیں آتا۔ کوئی پرندہ یا حیوان اس کی جاں گسل اور گرم سطح پر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اس کی ننگی اور صاف پیشانی پر نیلا اور شفاف آسمان گھورتا ہؤا نظر آتا ہے۔ اور اس نظارہ کو اور بھی بھیانک بنا دیتا ہے+

[1] ابن الاثیر نے ان اشعار کا ملخص دیا ہے۔ جلد دوم صفحہ ۱۱۸ "بڑھے چلو اے عبدالدار کی اولاد! ہمت کرو اے عورتوں کے محافظو! اور اپنی تلواریں دشمن کے سینوں میں پیوست کر دو۔" ہم ستارۂ صبح (طارق) کی بیٹیاں ہیں۔ ہم ریشمی قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔ دشمن کے ساتھ دلیری سے لڑو گے تو ہم تمہیں آغوش میں لے لیں گی! اور اگر تم پیٹھ دکھا گئے تو ہم نفرت سے منہ پھیر لیں گی +

حملہ حضرت حمزہؓ کے ماتحت دستہ نے نہایت بہادری سے پسپا کر دیا۔ آپ دشمن کی ابتری سے فائدہ اُٹھا کر اُن کے قلب میں گھس گئے۔ اور صفوں کی صفیں اُلٹ ڈالیں مسلمانوں کی فتح کا نقارہ بجنے ہی والا تھا کہ ان کا تیر انداز دستہ کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر آنحضرتؐ کی تمام ہدایات کو بھول گیا اور مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ خالد بن ولیدؓ (جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے) مسلمانوں کی غلطی کو بھانپ گئے۔ اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنے سواروں کے ساتھ مسلمانوں کے عقب پر حملہ آور ہوئے۔ کفار کی پیادہ فوج بھی پلٹی اور مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔ حضرت حمزہؓ اور مسلمانوں کے کئی دوسرے بہادر سردار شہید ہوئے۔ حضرت علیؓ جنہوں نے سب سے پہلے کفار کی رجز کا جواب اپنی تلوار سے دیا تھا۔[ل] اور حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سخت زخمی ہوئے۔ کفار تمام طرف سے آنحضرتؐ پر ٹوٹ پڑے جو فوج سے الگ چند جاں نثاروں میں گھرے کھڑے تھے۔ یہ لوگ کٹ کٹ کر آپ کے گرد گر رہے تھے۔

ل طبری لکھتا ہے کہ کفار کا ایک مشہور اور بہادر سردار طلحہ اپنی تلوار گھماتا ہوا حضرت علیؓ کے سامنے آیا اور آپ سے اس طرح مبارز طلبی کی "تم مسلمان کہتے ہو کہ ہمارے مقتول دوزخ میں جاتے ہیں اور تمہارے بہشت میں۔ آؤ! میں دیکھوں کہ تمہیں بہشت میں بھیج سکتا ہوں یا نہیں۔ آپ نے فرمایا "بہت اچھا" حضرت علیؓ نے اُسے زمین پر گرا لیا۔ تو طلحہ پکارا "رحم کر اے میرے ابن عم! آپ نے فرمایا اچھا رحم ہی سہی۔ کیونکہ تو دوزخ کی آگ کے قابل نہیں ہے +

آپ زخمی ہو رہے تھے اور خون بہہ رہا تھا۔ لیکن اس وقت بھی آپ ان محبت کرنے والوں کو نہ بھولے اور اُن ہاتھوں کے لئے دعائے رحمت فرمائی جو آپ کی پیشانی سے خون بند کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن مدد نزدیک ہی تھی۔ حضرت علیؓ جو چند بہادروں کے ساتھ دشمن کے قلب میں جان توڑ کر لڑ رہے تھے دشمن کے نرغے سے نکل کر ایک محفوظ مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ آنحضرتؐ کی شہادت کی (بے بنیاد) خبر سے سخت غمزدہ ہو رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی ایک اور جماعت کو کچھ فاصلے پر لڑتے دیکھ کر یہ بھی ہمراہیوں سمیت دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے۔ اور جب دیکھا کہ آنحضرتؐ ابھی تک زندہ ہیں تو ایک جان توڑ کوشش کے ساتھ آپ انہیں اُحد کی بلندیوں پر ہٹا لے گئے۔ حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی لے آئے جس سے آنحضرتؐ کے چہرے اور زخموں کو دھویا گیا! اور یہیں سب نے مل کر بیٹھے بیٹھے ظہر کی نماز ادا کی +

قریش میں اب اتنی سکت نہ تھی کہ مدینہ کی طرف بڑھتے یا اُحد کی بلندیوں پر چڑھ کر مسلمانوں سے لڑتے اس لئے مسلمان شہدا کی بُرید اعضا کے بعد وہ مدینہ کی حدود سے نکل گئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اس وحشیانہ انتقام کے کام میں سب سے زیادہ اظہار جوش کیا۔ اُس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چیر کر دل نکال لیا اور دوسرے شہدا کے ناکوں اور کانوں کا ہار بنا کر گلے میں پہنا +

قریش کی اس وحشیانہ حرکت نے مسلمانوں کے جذبات سخت برانگیختہ کر دیئے۔

خود آنحضرتؐ اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے اعلان کر دیا کہ آیندہ کفار کے مقتولوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔ لیکن رحم و کرم اس غصہ پر غالب آگیا اور آپ نے فرمایا۔ "دشمن کی بدسلوکیوں کو صبر سے برداشت کرو۔ بیشک صابر ہی فلاح پائیں گے۔" اور اس دن سے وحشت و بربریت کا یہ عمل جو اس وقت تمام قوموں میں رائج تھا۔ مسلمانوں کے لئے ممنوع قرار دیا گیا ✦

مدینہ میں واپس آکر آنحضرتؐ نے ایک دستہ قریش کے تعاقب میں روانہ کیا تاکہ قریش پر ظاہر ہو جائے کہ شدید نقصان اُٹھانے کے باوجود مسلمانوں کی ہمتیں پست نہیں ہوئیں۔ اور ان کی رُوح ویسی ہی تازہ دم ہے۔ ابُوسفیان نے جب تعاقب کے متعلق سُنا تو مکہ کی طرف بھاگا۔ لیکن راستہ میں مدینہ کے دو باشندوں کو شہید کرتا گیا۔ ساتھ ہی ایک پیغام آنحضرتؐ کو بھیجا کہ میں تمہیں اور تمہارے مُتبعین کو دُنیا سے نابود کرنے کے لئے جلد ہی لوٹوں گا۔ لیکن پہلے کی طرح اب بھی پُر از ایمان و ایقان جواب ملا "خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وُہی بہترین محافظ ہے" ✦

اِس تباہ کُن جنگ کا اثر ہمسایہ خانہ بدوش قبائل کی جنگی تیاریوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ان میں سے اکثر آنحضرتؐ کے اس باہمت کام سے مرعوب ہو گئے۔ لیکن

ك یہود اپنے قیدیوں کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ اور نہایت بربریت سے مُثلہ کیا کرتے تھے۔ یونانی، رومی اور ایرانی بھی یہی عمل کیا کرتے تھے۔ عیسائیت میں سولھویں صدی تک یہ عمل جاری رہا ✦

بعض قبائل مسلمان مبلغوں کو دھوکے سے اپنے ہاں لے جاتے اور وہاں قتل کر دیتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر ستر مسلمان نہایت دغابازی سے بیرِ معونہ کے قریب شہید کر دیئے گئے۔ یہ جگہ قبائل بنی عامر اور بنی سلیم کی آبادی کے قریب ہے اور اس میں مؤخر الذکر کا خاص طور پر تھا۔ ان شہداء میں سے دو آدمی بچ گئے۔ ایک مدینہ کی طرف آیا۔ اُسے راستے میں بنی عامر کے دو غیر مسلح آدمی ملے جو آنحضرتؐ کی پناہ میں سفر کر رہے تھے لیکن لاعلمی میں اُس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ آنحضرتؐ کو یہ سُن کر بہت افسوس ہوا کہ آپ کے ایک پیرو سے ایسی شدید غلطی ہوئی ہے گو یہ غلطی لاعلمی میں سرزد ہوئی لیکن آپ نے مقتولین کے وارثوں کو خون بہا دینے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مسلمانوں اور دوسرے معاہد قبائل سے دیت اکٹھی کرنے کے لئے احکام جاری کئے گئے۔ بنی نضیر قریظہ اور دوسرے قبائل اس کی ادائگی کے لئے مسلمانوں کے ساتھ برابر کے ذمہ دار تھے۔ آنحضرتؐ خود مع چند متبعین کے بنی نضیر میں تشریف لے گئے اور اُن سے چندہ کا مطالبہ کیا۔ اُنہوں نے بظاہر اس مطالبہ کو منظور کر لیا اور آپ سے قدرے توقف کرنے کی فرمائش کی۔ آپ ایک مکان کی طرف پُشت کئے بیٹھے تھے کہ کمینوں کی پُر اسرار نقل و حرکت نے اُن کے قاتلانہ منصوبے کو آپ پر ظاہر کر دیا۔

لیکن یہودیوں کی دشمنی کی تفصیل کے لئے ہمیں پھر گذشتہ واقعات سے رجوع کرنا پڑے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ کے ورُود مدینہ سے لے کر کس سنگ دلی سے وہ آپ کے ہر ہر قدم پر رکاوٹیں ڈالتے رہے ہیں۔ وہ آپ کے متبعین میں بدظنی

کا بیج بونے کی کوشش کرتے۔ وہ آپ پر اور آپ کے متبعین پر اتہامات لگاتے۔ وہ قرآنِ کریم کے الفاظ کو غلط تلفظ سے ادا کرتے اور ان کا مفہوم بگاڑ دیتے۔ لیکن اسی پر بس نہیں ہے۔ وہ اپنی اعلیٰ تعلیم کی مدد سے، گروہِ منافقین کے اتحاد سے اور اس اتفاق سے جو بخلاف عربوں کی نا اتفاقی کے ان میں موجود تھا۔ وہ اسلام کے لئے ایک خطرناک ترین عنصر ثابت ہو رہے تھے۔ غیر ترقی یافتہ اقوام میں شعرا کی وہی حیثیت اور وہی اثر ہوتا ہے جو موجودہ زمانہ میں اخبارات کو حاصل ہے۔ یہودی شعرا[۵] اپنی اعلیٰ تربیت کی وجہ سے مدینہ والوں میں بہت با اثر تھے۔ اور یہ اثر مسلمانوں میں بغاوت کا بیج بونے اور مخالفین کی دشمنی کو بڑھانے پر صرف کیا جاتا تھا۔ بدر میں کفار کی شکست کو یہودیوں نے بھی اسی طرح محسوس کیا جس طرح مکیوں نے کیا تھا۔ اس جنگ کے فوراً بعد ان کی قوم کا ایک معزز فرد کعب بن اشرف جو قبیلہ نضیر سے تھا

[۵] شعرا کے اثر کی مثال مندرجہ واقعے سے ثابت ہوگی۔ جس کا تعلق جنگِ اُحد سے ہے۔ اس جنگ کی تیاری کے دوران میں قریش نے ایک شاعر ابُوعزیٰ سے استدعا کی۔ کہ وہ قبائل صحرا میں ایک دورہ کرے۔ اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اُبھار کر جنگ پر آمادہ کرے۔ یہ شخص جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوگیا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ نے بغیر فدیہ لئے اسے اس شرط پر رہا کر دیا تھا کہ آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اُٹھائے گا۔ لیکن اُس نے اپنے وعدہ کے خلاف قبائل میں جاکر انہیں جنگ پر آمادہ کیا۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوُا۔ جنگِ اُحد کے بعد وہ پھر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہوُا اور قتل کر دیا گیا۔

برسرِ عام کفار کی شکست پر افسوس کرتا ہؤا مکہ کو روانہ ہوگیا۔ وہاں لوگوں کے غم و غصہ سے فائدہ اُٹھا کر اُس نے اُن کی ہمت بندھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اُس نے آنحضرتؐ اور آپ کے مُتبعین کی ہجویں سُنا سُنا کر اور کفار کے مقتولین کے نوحے اور مرثیے گا گا کر قریش میں وہ جوش و غضب پیدا کیا جو میدانِ اُحد میں ظاہر ہؤا۔ جب اس کا مطلب پُورا ہوگیا تو وہ بنی نضیر کے قلعہ میں واپس چلا آیا اور آنحضرتؐ اور آپ کے مُتبعین کے متعلق نفرت انگیز اشعار کہتا رہا۔ مسلمانوں کی مستورات بھی اس کی ناپاک شاعری کے حملوں سے محفوظ نہ رہیں۔ اس کے الفاظ صریحاً اس دولتِ عامہ کے خلاف تھے جس کا وہ خود ایک فرد تھا وہ اس قبیلہ کا فرد تھا جو مسلمانوں کے عہد نامہ کو قبول کر چکے تھے اور سلطنت کے اندرونی اور خارجی تحفّظ کے ذمّہ دار تھے۔ بنی نضیر کا ایک اور یہودی ابُورافع سلاّم بن ابُوالحقیق بھی مسلمانوں کی دشمنی میں اس کا ہم پلّہ تھا۔ وہ اپنے قبیلے کی ایک شاخ کے ساتھ جو خیبر کے نزدیک آباد تھی مدینہ سے شمال مغرب کی طرف چار پانچ دن کی مسافت پر رہتا تھا۔ اس نے اپنے ہمسایہ عرب قبائل مثلاً سلیم اور غطفان کے اُبھارنے میں پُورا زور لگا دیا۔ اب دولتِ عامۂ اسلامیہ کے لئے ان لوگوں کی دغابازیوں کو برداشت کرنا ناممکن ہوگیا تھا جن کی ہر طرح پاسداری کی گئی تھی کہ اگر وہ مدد نہیں کر سکتے تو کم سے کم غیر جانبدار رہیں گے۔ اب مسلمانوں کی ہستی تک خطرے میں پڑی ہوئی تھی اور تحفّظ کا ہر اصول اس بات کا متقاضی تھا کہ ان غدّارانہ سازشوں کو خاموشی سے دبا دیا جائے۔ مدینہ

والوں نے متفقہ طور پر انہیں بغاوت کی سزا کا مستوجب قرار دے دیا۔ ایک کو بنی اوس کے ایک فرد نے اور دوسرے کو ایک خزرجی نے کیفر کردار تک پہنچایا ‌۔

عیسائی مناظرین اس سزا کو خون سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ اس کی انجام دہی کے لئے دو مسلمانوں کو خفیہ طور پر بھیجا گیا تھا اس لئے وہ رسول اللہؐ سے تعصب کی بنا پر اس سزا کے مبنی بر انصاف ہونے اور اس کے بہ تعجیل اور رازدارانہ طریق پر انجام پانے کی ضرورت کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اس وقت کوئی پولیس یا منصفوں کی عدالت نہ تھی اور نہ کورٹ مارشل کا وجود تھا کہ وہ مجرم افراد کے مقدمہ کی سماعت کرتا۔ حکومت کے کسی خاص مقرر کردہ جلاد کی عدم موجودگی میں کوئی سا فرد ان فرائض کو انجام دے سکتا ہے۔ ان لوگوں نے عہدنامہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ انہیں برسرعام زیر حراست کرنا یا ان کے قبیلوں کے سامنے سزا دینا ایک شدید خونریزی اور غیر امتناہی سلسلہ انتقام کھڑا کر دینے کے بغیر بالکل ناممکن تھا حکومت کے حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ جو کچھ بھی ان باغیوں کے متعلق کرنا ہے فوراً کیا جائے اور نہایت خاموشی سے کیا جائے [1] کیونکہ حکومت کی بقا اور شہر کی امن و

---

[1] ہمارے عیسائی مؤرخین اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ عقلمند سولن نے بھی اپنے چھوٹے سے شہر کے تحفظ کے لئے ایتھنز والوں کو مجبور کر دیا تھا کہ یا تو وہ جلاد کے فرائض انجام دیتے ہوئے مفسدوں کا تعاقب کریں یا خود دونوں گروہوں میں سے ایک میں شامل ہو جائیں۔ وہ اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ عیسائی انگلستان کا قانون ہر شخص کو اجازت دیتا ہے کہ وہ باغی کا پیچھا کرے اور اسے قتل کر دے ‌۔

سلامتی اس بات پر منحصر تھی کہ مجرموں کو فوراً سزا دی جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے قبائل کو اپنے گرد جمع کرلیں۔

شوال ۲ھ
فروری ۶۲۴ء

ان دو غداروں کے حشر اور بنی قینقاع کے مدینہ سے اخراج نے آنحضرتؐ کے خلاف بنی نضیر کی دشمنی کو اور بڑھا دیا۔ بنی قینقاع کی جلاوطنی کے اسباب مجمل سے بیان کے محتاج ہیں۔ دوسرے یہودی قبائل عموماً زراعت پیشہ تھے لیکن بنی قینقاع کا ایک بھی کھیت یا نخلستان نہ تھا۔ وہ عام طور پر صناع تھے جو ہر قسم کی صنعت و حرفت میں حصہ لیتے تھے۔ وہ سازشی اور بے اصول تھے اور اسکندریہ کے یہودیوں کی طرح ہر وقت لڑائی لینے کے لئے تیار رہتے تھے اور اپنے پست اخلاق کی وجہ سے ہر جگہ مشہور تھے۔ ایک دن ایک دیہاتی نوجوان لڑکی دودھ بیچنے کے لئے اُن کے بازار میں گئی۔ نوجوان یہودیوں نے اس کی سخت توہین کی۔ ایک مسلمان راہ گیر نے لڑکی کی حمایت کی جس پر بلوہ ہو گیا۔ اور اس بیحرمتی کا بانی مارا گیا۔ اس پر تمام یہودی اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسلمان کو قتل کر دیا۔ اب ایک خوفناک نظارہ پیش نظر ہو گیا۔ مسلمانوں نے اپنے بھائی کے قتل پر مشتعل ہو کر ہتھیار سنبھال لئے جس پر خون کی ندیاں بہہ نکلیں اور طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ آنحضرتؐ خبر سنتے ہی موقع پر پہنچے اور اپنے اثر سے مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ نے ان نتائج پر غور کیا جو اِن سازشوں اور قانون شکنیوں کے اثر سے پیدا ہونے والے تھے۔ اگر ان کا سدباب نہ ہوتا تو مدینہ ایک ایسا اکھاڑہ

بن جاتا جس میں دشمن گروہوں کے افراد ایک دوسرے کو نہایت بیرحمی سے قتل کرتے نظر آتے۔ یہودیوں نے کھلم کھلا اور جان بوجھ کر عہدنامے کی شرائط کو توڑا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ ایک مضبوط ہاتھ عہدشکنی فوراً روک دے یا امن وسلامتی کی تمام امیدوں کو الوداع کہہ دی جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ بنی قینقاع کے علاقہ میں تشریف لے گئے۔ اور ان سے مطالبہ کیا کہ یا تو اسلام قبول کر کے پوری طرح دولت عامۂ اسلام میں داخل ہو جاؤ یا مدینہ کو خالی کر دو۔ یہودیوں نے نہایت اشتعال انگیز جواب دیا "اے محمدؐ! اپنی قوم پر فتح حاصل کر کے پھول نہ جاؤ۔ تمہیں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا تھا جو فنونِ جنگ سے بے بہرہ تھے۔ اگر تمہاری خواہش ہو تو ہم تمہیں بتا دیں گے کہ ہم مرد ہیں"۔ انہوں نے قلعے کے دروازے بند کر لئے اور جنگ پر آمادہ ہو گئے لیکن مسلمانوں کے لئے اُن کے وجود سے خلاصی پانا ضروری تھا۔ اس لئے فوراً محاصرہ کر لیا گیا۔ پندرہ دن کے بعد اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پہلے تو انہیں سخت سزا دینے کا ارادہ تھا لیکن آنحضرتؐ کی رحم دلی عدل پر غالب آگئی اور صرف جلاوطنی پر اکتفا کیا گیا۔

یہ تمام واقعات بنی نضیر کے سینوں میں سانپوں کی طرح پیچ وتاب کھا رہے تھے۔ وہ آنحضرتؐ سے چھٹکارا پانے کے لئے کسی موقع کی تاک میں تھے۔ اور اس لئے آپ کی آمد کو انہوں نے تائید ایزدی تصور کیا۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ان کے ناپاک منصوبے آنحضرتؐ پر ظاہر ہو گئے۔ آپ فوراً اس جگہ سے ہٹ گئے اور اس طرح اپنے آپ کو اور اپنے متبعین کو ایک یقینی ہلاکت

سے بچا لیا ۔

بنی نضیر کی اب بالکل وہی حالت ہو گئی تھی جو ان سے قبل بنی قینقاع کی تھی انہوں نے خود اپنے طرز عمل سے اپنے آپ کو عہد نامہ کی رو سے باہر کر لیا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے مدینہ واپس آنے پر انہیں بھی وہی پیغام بھیجا جو اس سے قبل بنی قینقاع کو بھیجا گیا تھا۔ منافقین اور عبداللہ بن اُبی کی امداد کے بھروسے پر انہوں نے نہایت بے باکانہ جواب دیا۔ لیکن انہیں عبداللہ اور اپنے ہم مذہبوں یعنی بنی قریظہ کی طرف سے سخت مایوسی ہوئی۔ اور پندرہ دن کے محاصرے کے بعد بالآخر انہیں صلح کے لئے التجا کرنی پڑی۔ وہی شرائط ہی دہرائی گئیں جو پیغام میں پیش کی گئی تھیں چنانچہ انہوں نے جلاوطن ہونا قبول کر لیا۔ اسلحہ جنگ کے سوا انہیں تمام منقولہ جائداد لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ روانگی سے پہلے اُنہوں نے اپنے گھروں کو تباہ کر دیا تاکہ مسلمان ان سے مستفید نہ ہوں ۔

ربیع الاول سنہ ۴ھ
جون تا جولائی ۶۲۵ء

ان کی زمینیں اور سامانِ جنگ جو وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکتے تھے آنحضرتؐ نے انصار سے اجازت لے کر مہاجرین میں تقسیم کر دیئے جو ابھی تک اپنے مدنی بھائیوں کی فیاضانہ امداد کے محتاج تھے۔ باوجود اس برادرانہ محبت کے جو انصار اور مہاجرین میں تھی آپ کو معلوم تھا کہ مدینہ والوں کی امداد غیر مستقل ہے۔ اس لئے آپ نے انصار کے رؤسا کو جمع کیا اور اُن سے دریافت فرمایا کہ اس مال کو ان کے غریب مہاجر بھائیوں میں تقسیم کرنے پر انہیں

کوئی اعتراض تو نہیں؟ سب نے یک آواز ہو کر کہا" یہودیوں کا مال ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دو۔ اور ہمارے مال میں سے بھی کچھ حصہ انہیں دے دو ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں"۔ اس پر آپ نے اس جائداد کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور دو انصار کو بھی حصہ ملا جو بہت غریب تھے +

بنی نضیر کی جلا وطنی ربیع الاول ۴ھ میں ہوئی۔ اس سال کا باقی حصہ اور آیندہ سال کا ابتدائی حصہ خانہ بدوش دشمن قبائل کی بغاوتیں فرو کرنے اور مدینہ پر چند خونریز حملوں کی سرکوبی کرنے میں صرف ہوا [1]

۵ھ۔ ۳ مئی ۶۲۶ء سے ۲۳ اپریل ۶۲۷ء تک

اس اثنا میں دشمنانِ اسلام بھی بے کار نہ رہے۔ کفار نے دور دراز علاقوں میں اپنے سفیر بھیجے تاکہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھاریں۔ ان کوششوں میں یہود سب سے پیش پیش تھے۔ بنی نضیر کے جو آدمی خیبر میں تھے انہوں نے انتقام کی امیدوں سے مشتعل ہو کر مسلمانوں کے استیصال کے لئے ایک انجمن بنائی۔ ان کی کوششیں اُن کی اُمید سے بھی بڑھ کر بار آور ہوئیں۔ ایک ہیبت ناک اتحاد عمل میں آیا۔ اور ساز و سامان سے آراستہ دس

[1] اس قبیل کی ایک مہم تھی جو دومۃ الجندل کے عیسائی عربوں کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ انہوں نے مدینہ والوں کیلئے شام کا راستہ بند کر دیا تھا اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی دھمکیاں دیتے تھے۔ لیکن قزاقوں کا یہ گروہ مسلمانوں کے پہنچنے پر بھاگ نکلا۔ اور آنحضرتؐ ایک ہمسایہ سردار سے معاہدات کر کے واپس تشریف لائے۔ اس سردار کو مدینہ کی چراگاہوں سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی گئی تھی +

ہزار سپاہیوں کی ایک فوج ظالم ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ پر چڑھ دوڑی۔ راستے میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر اُحد کی طرف آن ٹھہرے جو شہر کا سب سے زیادہ غیر محفوظ پہلو تھا۔ اُن کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو صرف تین ہزار جوان میسّر آسکے۔

شوال ۵ھ
۲ر فروری ۶۲۷ء

اپنی تعداد کی قلت اور منافقین کی فتنہ انگیز مخالفت کے خیال سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے تحفظ و دفاع کی تدابیر اختیار کیں۔ شہر کے کمزور مقامات کے گرد گہری خندق کھود دی۔ عورتوں اور بچوں کو شہر کے مضبوط مکانات میں محفوظ کر دیا اور خود خندق کے پیچھے صف آرا ہو گئے۔ شہر کے جنوب مشرق کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر بنو قریظہ کے کئی قلعے تھے۔ اس سمت کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کو پورا بھروسہ تھا کہ اگر وہ دشمن کے دفاع کے لئے عملی حصہ نہ لیں گے تو کم از کم غیر جانبدار ضرور رہیں گے۔ کیونکہ وہ عہد نامے کی رُو سے تمام بیرونی حملوں میں مسلمانوں کی امداد کے ذمہ دار تھے۔ ان یہودیوں کو کفار نے عہد شکنی کرنے پر آمادہ کر لیا اور اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ جونہی آنحضرتؐ کو ان کی عہد شکنی کا علم ہوا آپ نے سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کو ان کے فرائض کی یاد دہانی کے لئے بھیجا۔ اُنہوں نے نہایت ترشروئی سے جواب دیا "محمد کون ہے، خدا کا پیغمبر کون ہے، کہ ہم اُسکی اطاعت کریں؟ ہمارے درمیان کوئی عہد نامہ نہیں ہوا"۔

چونکہ یہ یہودی موقع و محل سے اچھی طرح واقف تھے اور شہر کے کمزور مقامات

دکھا کر محاصرین کی کُمک امداد کر سکتے تھے۔ اِس لئے مسلمانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ منافقین کی موجودگی نے خطرات کو اور زیادہ کر دیا۔[1]

کفار اور یہود نے مسلمانوں کو کھلے میدان میں لانے یا یہودیوں کی رہنمائی میں شہر پر ناگہانی حملہ کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن ناکام رہے۔ اب اُنہوں نے حملۂ عام کا قصد کیا۔ محاصرہ کئے بیس دن ہو چکے تھے۔ صحرا کے مضطرب و بے قرار طبع قبائل جو مسلمانوں کو ایک آسان لقمہ سمجھ کر قریش کے ساتھ آ گئے تھے۔ اس طویل محاصرے سے اُکتا گئے۔ محاصرین کے سرداروں نے خندق عبور کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن مسلمانوں نے ہر حملے کو پسپا کر دیا۔ اب حالات کفار کے خلاف ہوتے ہوئے معلوم ہوئے۔ ان کے گھوڑے بھوک سے مرنے لگے۔ اور سامان رسد کم ہو گیا۔ نا اتفاقی تو اُن میں پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے دُور اندیش سردار نے اپنی بے نظیر دانائی سے انہیں اور بھی بیدل

---

[1] یہ تمام نظارہ قرآن مجید میں سورۃ الاحزاب میں نہایت خوبصورتی سے بیان ہوا ہے:۔

"اس وقت کو یاد کرو جب دشمن اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے تم پر پِل پڑے اور خوف سے تمہاری آنکھیں پھر گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہ مسلمانوں کی آزمائش کا وقت تھا اور ان پر شدید لرزہ طاری تھا۔ اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھے، پکار اُٹھے کہ خدا اور اُس کے رسول کا وعدہ فریب ہی نکلا"

کر دیا۔

ایک لحظہ میں دشمنوں کی یہ عظیم الشان متحدہ افواج ہوا میں کافور ہوگئیں۔ رات کی خوفناک تاریکی میں آندھی اور بارش کے ایک غضبناک طوفان نے اُن کے خیمے اُکھاڑ پھینکے اور روشنیاں گُل کر دیں۔ ابوسفیان اپنی افواج لے کر بھاگا اور جو باقی بچے اُنہوں نے بنو قریظہ کے پاس پناہ لی۔ آنحضرتؐ نے رات ہی کو دشمن کے انتشار کی خبر دے دی تھی اور دن نکلتے ہی لوگوں نے اس پیشین گوئی کو پورا ہوتے دیکھ لیا۔ اور مسلمان خوش ہو کر شہر میں واپس آئے۔

۵ھ۔ ۲۸ر فروری ۶۲۶ء سے ۲۴ر مارچ ۶۲۷ء تک

لیکن مسلمانوں کی فتح اس وقت تک مکمل نہ ہو سکتی تھی۔ جب تک بنو قریظہ جیسی خطرناک قوم اُن کی ہمسائگی میں موجود تھی۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو عہد و پیمان کے باوجود غدار ثابت کیا تھا۔ اور ایک دفعہ تو بے خبری میں مدینہ پر ٹوٹ ہی پڑے تھے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے۔ کہ اگر اس میں وہ کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کا قتل عام ہو جاتا۔ مسلمانوں نے اپنا فرض سمجھا کہ ان سے اس غداری کا جواب طلب کیا جائے۔ یہود نے نہایت دیدہ دلیری سے کام لے کر جواب دہی سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ اُنہوں نے صرف ایک شرط پیش کی کہ اُن کی سزا کا فیصلہ بنی اَوس کے سردار سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے۔ اس شخص نے جو ایک تُند مزاج سپاہی تھا اور جو اس حملے کے دوران میں زخمی ہوا تھا یہود کے اس غدارانہ

طرزِ عمل پر سخت غضب ناک ہو کر فیصلہ کیا کہ یہود کے تمام جنگ کے قابل آدمی موت کے گھاٹ اُتار دیئے جائیں اور ان کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے لونڈی غلام بنا لئے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ سعد اس فیصلہ کے دوسرے ہی روز وفات پا گیا۔ لین پول لکھتا ہے " یہ ایک ایسا سخت اور خونیں فیصلہ ہے۔ جو اہل الہی پر حملہ کرنے والی افواج کے جرنیلوں ہی کو زیب دیتا تھا یا اس کی مثال آگسٹن عہد کے متصوفین کے مظالم ہی میں نظر آ سکتی ہے۔ لیکن اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ان اشخاص کا جرم محاصرہ کے وقت حکومت کی بغاوت کرنا تھا اور جن لوگوں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ کس طرح ولنگٹن کی گذرگاہ فوج کے مفرورین کی لاشوں سے پٹی پڑی تھی۔ انہیں ایک غدار چھوٹے سے قبیلے کے قتل پر حیران نہ ہونا چاہیئے۔

یہودیوں کے چند قبائل کی سزا دہی نے میور، سپرنگر، ویل اور اوسبرن جیسے آنحضرتؐ کے عیسائی سوانح نگاروں کے لئے ناجائز حملے کرنے کی راہ کھول دی ہے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کو ان کے جرائم کے مقابلہ میں بہت ہلکی سزائیں دی گئیں۔ صرف بنی قریظہ ہی کو کسی قدر سخت سزا دی گئی۔

انسانی فطرت کی ترکیب ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ کسی شخص کا جرم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو جس وقت اُسے سزا دی جاتی ہے ہمیں دُرشت اور ظالمانہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے احساسات میں ایک قدرتی انقلاب واقع ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے دلوں میں انصاف کی بجائے رحم جاگزین ہو جاتا ہے۔ اِس میں کچھ شک

نہیں کہ ہمارے نقطۂ نظر سے بنو قریظہ کی سزا سخت تھی۔ لیکن خواہ ہم اُن بیچاروں کی قسمت پر کتنا ہی افسوس کریں جنھوں نے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ اپنی مرضی سے ایک غضبناک سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا، خواہ ہم کتنا ہی افسوس کریں کہ فلاں شخص کو اس طرح نہیں بلکہ اس طرح سزا دینی چاہیئے تھی لیکن ہمیں جذبات رحم کے لئے انصاف کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیئے۔ ہمیں اُن کے جرائم کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے، اُن کی غداری کو، اُن کی ظاہر و ثابت دشمنی کو، اُن کی اس عہد شکنی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جس سے دُور رہنا اُن کا اوّلین اخلاقی فرض تھا۔ مزید بر آں ہمیں اُن ترغیبات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے جو یہوواہ کے یہ پرستار بت پرستی کے قائم رکھنے کے لئے کفار عربوں کو دیتے تھے۔ اخلاقیات کے عیسائی علمبردار آرنلڈ کی طرح کچھ مسلمان بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ "ظالم و مفسد کا فنا کرنا اس سے سَو درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی ناپاک صحبت سے بے گناہوں کو بھی آلودہ کرے"[1]

یہ مسلمان صرف ایک لفظ کے تغیر سے اسی طرح کہہ سکتے ہیں "آؤ ہم غور کریں کہ ہمارا اور ان تمام دوسری اقوام کا جو اس وقت آسمان کے نیچے آباد ہیں۔ کیا حشر ہوا ہوتا اگر عربوں[2] کی تلوار اپنا کام کفایت سے انجام دیتی۔ عربوں[2] کی تلوار اپنے خونیں کارناموں کے ساتھ تمام ممالک عالم کے لئے دُنیا کے دُوسرے سرے تک رحم و کرم کے بیج بو گئی!" اگر عیسائیوں کی دلیل صحیح ہے اور بے رحمانہ

[1] خطبات آرنلڈ۔ غزوات اسرائیلیہ صفحہ ۳۵-۳۶ + [2] اصل میں "اسرائیلیوں"+

نہیں ہے تو یقیناً مسلمانوں کی دلیل اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ دُوسرے مسلمان بنی قریظہ کے اس خوفناک فیصلے کو اسی نظر سے دیکھ سکتے ہیں جس نظر سے کارلائل باشندگان ڈروغیڈہ کے قتل عام کے متعلق کراموِل کے وحشیانہ حکم کو دیکھتا ہے۔ "ایک مسلح سپاہی، ان جذبات کے ساتھ کہ وہ خدائے عادل کا سپاہی ہے۔ ایک ایسا جذبہ جو ہر سپاہی اور ہر انسان کو ہر وقت اپنے دل میں موجود رکھنا چاہیئے۔ موت کی طرح غضبناک، تقدیر کی طرح بے رحم، خدائی انصاف کو اس کے دشمنوں پر ظاہر کر رہا تھا"۔

لیکن یہودیوں کو جو سزا دی گئی ہم اسے ان دونوں میں سے کسی ایک نقطۂ نظر سے بھی نہیں دیکھتے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ اُس وقت کے قوانین جنگ کے مطابق انہیں نہایت منصفانہ سزا دی گئی: "اُس زمانہ کے رسوم جنگ کے مطابق قوانین کا پوری طرح اطلاق کیا گیا۔"[1] ان لوگوں نے اپنی بدقسمتی کو خود بلایا اگر یہ لوگ سعد کے فیصلے کے بغیر بھی قتل کر دیئے جاتے تو یہ اُس زمانہ کے قوانین کے بالکل مطابق ہوتا لیکن اُنہوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے سعد کو خود منتخب کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس کا فیصلہ اُن کے طرزِ عمل کے خلاف نہیں اور اس لئے اُنہوں نے کوئی عذر پیش نہ کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو اپنے دشمنوں کو بغیر کسی افسوس کے ذبح کر ڈالتے۔ لوگ حضرت داؤدؑ کی خونریزیوں کو "اُس زمانہ کی

---

[1] تاریخ یونان جلد ششم۔

روشنی میں دیکھتے ہیں "۔ قدیم عیسائیوں کی خوفناک خونریزیاں خاص "روشنیوں" میں دیکھی جاتی ہیں۔ قدیم مسلمانوں کی دفاعی لڑائیاں کیوں نہ اس نقطۂ نظر سے دیکھی جائیں لیکن نقطۂ نظر خواہ کوئی ہو۔ بے تعصب دل جانتے ہیں کہ بنی قریظہ کی سزا میں آنحضرتؐ پر کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا +

مقتولین کی تعداد زیادہ سے دو ڈھائی سو تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بقیۃ السیف کی تقسیم میں ایک نوجوان یہودن ریحانہ آنحضرتؐ کے حصے میں بھی آئی اور بعض کہتے ہیں کہ تقسیم سے قبل وہ آپ کے لئے الگ کر دی گئی تھی۔ عیسائی مؤرخین جو آپ کی ذات پر بے جا حملہ کرنے کے لئے ہر وقت موقع کی تاک میں لگے رہتے ہیں اس موقع پر بھی افسانہ گھڑنے سے نہیں چوکے۔ غلامی کی بحث کو ہم کسی آیندہ باب پر چھوڑتے ہیں۔ لیکن یہاں صرف یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اس واقعے کو صحیح بھی سمجھ لیا جائے۔ تو ہمیں جدید خیالات کے بموجب اِس پر معترض ہونے کا کوئی حق نہیں کیونکہ یہ اس زمانہ کے مراسم جنگ کے بالکل مطابق تھا۔ ریحانہ کے آنحضرتؐ کی بیوی بننے کی کہانی سراسر جھوٹ ہے کیونکہ اس واقعے کے بعد وہ اوراق تاریخ پر کبھی نظر نہیں آئی۔ حالانکہ آپ کی دوسری ازواج مطہرات کے حالات بالتفصیل مذکور ہیں +

چھٹا باب

رسولؐ اللہ کی رحم دلی

دعا الی اللہ فالمستمسکون بہٖ مُستمسکون بحبلٍ غیر منفصمٖ

سنہ ۶ ھ۔ ۲۳ اپریل ۶۲۷ء سے ۱۲ اپریل ۶۲۸ء تک

یہود اور کفار کی متحدہ قوتیں دولت عامۂ مدینہ کی تباہی میں ناکام رہیں۔ مسلمان اسے ایک معجزہ سے تعبیر کرنے میں حق بجانب تھے۔ لیکن صحرا کے وحشی اور خونخوار قبائل حدودِ مدینہ کے اندر اکثر قتل و غارت گری کر جاتے۔ حکومت کی بقا ان کی فوری سرکوبی کا متقاضی تھی۔ کئی مُہمیں ان رہزنوں کے خلاف بھیجی گئیں لیکن وہ مسلمانوں کی آمد کی خبر سنتے ہی بھاگ جاتے۔ بنی لحیان جنہوں نے آنحضرتؐ سے درخواست کر کے کئی مُبلغوں کو اپنے قبیلہ میں بُلایا تھا اور بعض کو قتل کر کے باقیوں کو کُفارِ مکہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا ابھی تک اُنہیں کوئی سزا نہ دی گئی تھی لیکن اب وقت آپہنچا کہ اُنہیں اس جرم کی سزا دی جائے۔ جمادی الاوّل میں فوج کا ایک دستہ آنحضرتؐ کی ماتحتی میں بنی لحیان کے خلاف روانہ

ہوًا۔ ان قزاقوں کو وقت پر اطلاع مل گئی اور وہ پہاڑیوں کی طرف بھاگ نکلے اور مسلمان مدینہ واپس آ گئے ۔

کچھ دنوں کے بعد خیلِ غطفان کی ایک شاخ بنی فزارہ نے مدینہ کے غیر محفوظ حصے پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے اُونٹ ہانک نے لے گئے، اُن کے محافظ کو قتل کر دیا۔ اور اس کی بیوی کو اُٹھا لے گئے۔ مسلمان فوراً اُن کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ چند اُونٹ واپس مل گئے لیکن باقی مال لے کر بدوی صحرا میں نکل گئے ۔

اسی زمانہ میں آنحضرتؐ نے کلیسائے سینٹ کیتھرائن کے پادریوں کو اور تمام عیسائیوں کو ایک دستاویز عطا فرمائی جو صفحاتِ تاریخِ عالم میں مذہبی رواداری کی ایک بے نظیر مثال سمجھی جاتی ہے۔ یہ دستاویز جو مؤرخینِ اسلام نے مفصلاً محفوظ رکھی ہوئی ہے وسعتِ خیال اور آزادئی عقاید کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔ اس کے ذریعہ آنحضرتؐ نے عیسائیوں کو ایسے حقوق و فوائد عطا فرمائے جو انہیں عیسائی حکومتوں کے ماتحت بھی حاصل نہ تھے اور اعلان کیا گیا کہ اگر کوئی مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کریگا تو وہ قرآن کی اور خدائے تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا اور اسلام کی تذلیل کرنے والا متصور ہوگا۔ آپ نے اپنی ذات پر اور اپنے متبعین پر تمام عیسائیوں، اُن کے گرجاؤں، اور پادریوں کی اقامت گاہوں کی حفاظت کی ذمہ داری عائد کی اور یہ کہ ان پر کسی قسم کا ناجائز دباؤ نہ ڈالا جائے گا۔ کوئی بشپ اپنے علاقہ سے نہ نکالا جائیگا کسی زائر کو اپنے سفر سے نہ روکا جائے گا۔ کوئی گرجا مسلمانوں کے لئے مساجد یا گھر

بنانے کو مسمار نہ کیا جائے گا۔ عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کے نکاح میں ہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کے لئے ہر طرح آزاد ہوں گی اور ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا جائے گا اگر عیسائیوں کو گرجاؤں یا خانقاہوں کی مرمت کی ضرورت ہوگی یا کسی اور مذہبی کام کے لئے امداد کی ضرورت ہوگی تو مسلمان اُن کی ہر طرح کی امداد کریں گے۔ اس امداد کو اُن کے مذہب میں حصہ لینے سے تعبیر نہ کیا جائے گا۔ بلکہ یہ ایک حاجت مند کی حاجت روائی اور خدائے تعالےٰ اور اُس کے رسول کے احکام کی تعمیل متصور ہوگی۔ اگر مسلمان کسی بیرونی عیسائی طاقت سے برسرپیکار ہوں گے تو مسلمانوں کی حدود میں رہنے والے کسی عیسائی کے ساتھ اُس کی قومیت کے خیال سے حقارت آمیز برتاؤ نہ کیا جائے گا۔ کوئی مسلمان جو کسی عیسائی سے ایسا برتاؤ کرے گا۔ رسُول اللہؐ کا نافرمان متصوّر ہوگا۔

انسان اپنی ہستی کے متعلق ہمیشہ عظمت و بزرگی کے خیالات وابستہ کر لیتا ہے۔ جو باوجود بدی کا بدلہ بدی سے دینے کی طاقت رکھنے کے نہ صرف بدی کا بدلہ نیکی سے دینے کی تلقین کرے۔ بلکہ عملی طور پر نیکی کر دکھائے۔ آنحضرتؐ حکومت کے سردار اور رعایا کی جان و آزادی کے محافظ ہونے کی حیثیت سے عدل و انصاف پر پوری طرح کاربند ہوتے تھے۔ اور مجرم افراد کو سختی سے سزا دیتے تھے۔ آپ ایک پیغمبر اور ایک ہادی کی حیثیت میں اپنے بدترین دشمنوں سے بھی رحم و عفو کا برتاؤ کرتے تھے۔ آپ کی ہستی میں عدل و رحم جیسی دو عظیم انسانی صفات یکجا موجود تھیں۔

قبیلۂ حنیفہ کا ایک سردار ثمامہ بن آثال ایک مہم کے دوران میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ وہ مدینہ میں لایا گیا جہاں آپ کے کریمانہ برتاؤ سے متاثر ہو کر وہ ایک دشمن کی بجائے آپ کا جاں نثار پیرو بن گیا۔ اپنے وطن میں واپس جا کر اس نے مکہ میں یمامہ کے سامان کی درآمد بند کر دی جس سے مکہ والے سخت دق ہوئے انہوں نے بہت سر پٹکا لیکن حنفیوں کے دل نہ پسیجے۔ آخر انہوں نے آنحضرتؐ سے مداخلت کی استدعا کی۔ آپ کو ان کی حالت پر رحم آگیا اور ثمامہ سے سفارش کر کے یہ مشکل رفع کرادی +

آپ کی رحم دلی کے بے شمار واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہم دو پر اکتفا کریں گے۔ آپ کی ایک صاحبزادی جن سے آپ کو بہت محبت تھی صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے نکل رہی تھیں۔ آپ حاملہ بھی تھیں۔ جس وقت آپ اُونٹ پر سوار ہو رہی تھیں ہبار نامی ایک قریش نے نہایت بے رحمی سے اپنی اُلٹی برچھی ان کے اس زور سے ماری کہ آپ گر پڑیں اور فوراً وفات پا گئیں۔ فتح مکہ کے بعد مجرم پر فتوائے قتل عائد کیا گیا۔ کچھ مدت روپوش رہنے کے بعد وہ خود بخود آنحضرتؐ کے پاس چلا آیا اور اپنے آپ کو غمزدہ باپ کے رحم پر چھوڑ دیا۔ خطا واقعی بڑی تھی۔ اور جرم سنگین تھا لیکن عمدہ ایک ذاتی صدمہ تھا اور مجرم سچے دل سے اپنے کردار پر منفعل نظر آتا تھا۔ آپ نے اسے غیر مشروط طور پر بری کر دیا۔ وہ یہودن جس نے خیبر میں آپ کی جان لینے کا قصد کیا تھا۔ اور عکرمہ بن ابو جہل

جو آنحضرتؐ کا بدترین ذاتی دشمن تھا دونوں معاف کر دیئے گئے۔

عیسائی بدویوں کا ایک قبیلہ (بنی کلب) جو دومتہ الجندل کے قریب رہتا تھا لوٹ مار کرتا ہؤا حدود مدینہ تک آپہنچا۔ انہیں دعوت اسلام دینے اور بدکرداریوں سے منع کرنے کے لئے ایک مہم بھیجی گئی۔ اس مہم کے سردار کو ہدایات دیتے ہوئے آپ نے یہ قابلِ یادگار الفاظ ارشاد فرمائے۔ "کسی حالت میں بھی دھوکا یا فریب نہ کرنا۔ اور نہ بچوں کو قتل کرنا[1]"۔

ایسی تمام مہموں کے سرداروں کو جو غارت گر قبائل کی سرکوبی کے لئے بھیجی جائیں آپ تاکیدی احکام دیتے کہ کمزوروں کو ہرگز نہ ستایا جائے۔ جب بازنطینیوں کے خلاف فوج روانہ ہوئی تو آپ نے اُنہیں مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اپنے نقصانات کے انتقام میں بے ضرر باشندوں اور عورتوں سے تعرض نہ کرنا۔ بچوں اور بیماروں کو تکلیف نہ دینا۔ جو لوگ تمہارے مقابلے پر نہ آئیں اُن کے گھروں کو مسمار نہ کرنا اُن

[1] رسول عربیؐ کی ان ہدایات کا اور خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کی ہدایات کا جو اُنہوں نے یزید بن ابوسفیان کو بازنطینیوں کے خلاف بھیجتے ہوئے ارشاد فرمائیں پیغمبر اسرائیلی سے مقابلہ کرو۔

"خدا ربّ الافواج فرماتا ہے۔ اب جاؤ اور عمالق پر حملہ کرو۔ اُن کی ہر چیز کو تباہ کر دو۔ اُن کے مردوں اور عورتوں، چھوکروں اور شیر خوار بچوں، بیلوں اور بھیڑوں، اونٹوں اور گدھوں سب کو قتل کر دو"۔

"تم بوڑھوں، جوانوں، چھوکریوں اور ننھے بچوں اور عورتوں کو یک لخت مار ڈالو"۔

کے سامان خوراک، ثمردار درختوں اور کھجوروں کے پیڑوں کو برباد نہ کرنا" حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آقا کے تتبع میں سردار فوج سے اِس طرح خطاب کیا "اے یزید! اپنی فوج پر بیجا دباؤ نہ ڈالنا، نہ انہیں تکلیف دینا بلکہ ہر معاملے میں ان سے مشورہ لینا، ہر معاملہ میں نیکی اور انصاف کو مدنظر رکھنا۔ کیونکہ جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ اور جب تم دشمن سے ملو تو مردوں کی طرح مقابلہ کرنا۔ اور پیٹھ نہ پھیر لینا اور اگر خدا تمہیں فتحیاب کرے تو بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجور کے درختوں اور کھیتوں کو تباہ نہ کرنا، کوئی پھلدار درخت نہ کاٹنا۔ اور نہ گائے بیلوں کو ذبح کرنا، مگر اس قدر جن کی تمہیں خوراک کے لئے ضرورت ہو۔ اگر تم کوئی عہد و پیمان کرو تو اس پر سختی سے قائم رہنا۔ تمہیں راستے میں کچھ ایسے مذہبی لوگ بھی ملیں گے جو اپنی خانقاہوں میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اس طریقے پر خدا کی عبادت کرتے ہیں اُن سے تعرض نہ کرنا، نہ اُنہیں قتل کرنا اور نہ اُن کی خانقاہوں کو تباہ کرنا"

اسی سال ماہ شعبان نومبر دسمبر ۶۲۷ئہ میں ایک مہم بنی مصطلق کے خلاف بھیجی گئی۔ اب تک مسلمانوں کے ساتھ اُن کے دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن اب حارث بن ابُوضرار کے بہکانے پر اُنہوں نے اتحاد توڑ دیا۔ اور سوادِ مدینہ پر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ یہ مُہم کامیاب ہوئی اور بہت سے آدمی قید ہوئے جن میں حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھی۔

مہاجرین کو اپنے دین کے لئے اور اُس ذاتِ قدسی کے لئے جس نے ان کے دلوں میں اتحاد، محبت اور اخوت کی رُوح پھونک دی تھی اپنا وطن چھوڑے ہوئے اب چھ سال ہو گئے تھے۔ عرب کے دُور دراز علاقوں کے لوگ جوق در جوق اس محیر العقول انسان کو دیکھنے آتے جس نے یہ عجیب و غریب انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اپنی روزمرہ زندگی کے متعلق اس سے مشورہ لیتے۔ اس طرح جس طرح حضرت اسمٰعیلؑ سے بنی اسرائیل مشورے لیتے تھے۔

لیکن ان غریب الوطنوں کے دل ابھی تک اپنے وطن کے لئے ترستے تھے۔ وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور غیر شہر میں انہیں پناہ ملی۔ انہیں کعبہ کے قُرب سے محروم کر دیا گیا جو اُن کے اجتماعاتِ مذہبی کا مرکز تھا۔ چھ سال سے اُنہیں اس متبرک مقام کا حج نصیب نہ ہوا تھا جو ایک ایسا رواج تھا کہ اس کے گرد زمانہ کی درخشاں روایات نے عظمت و بزرگی کا ایک نورانی ہالہ پیدا کر دیا تھا۔ خود آنحضرتؐ کو اپنے وطن کے دیکھنے کی اتنی ہی تمنا تھی۔ کعبہ کی عبادت گاہ تمام عرب قوم کی ملکیت تھی۔ قریش صرف اس کے محافظ تھے اور انہیں اس بات کا حق نہ تھا کہ اگر دشمن بھی اپنے مذہبی فرائض کی انجام دہی کے لئے آئے تو اُسے روک سکیں۔

حج کا زمانہ قریب آ گیا تو آنحضرتؐ نے مکہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ فوراً ایک ہزار آوازوں نے لبیک کہا۔ تیاریاں جلد جلد کی گئیں۔ اور آپ سات سو

مہاجرین و انصار کی ایک غیر مسلح جمعیت کے ساتھ حج کو روانہ ہو پڑے۔ قریش کی دشمنی ابھی تک ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے ایک عظیم الشان فوج لے کر مکّہ سے چند میل باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن جلد ہی پیچھے ہٹ کر شہر کے تمام راستے بند کر دیئے۔ اُنہوں نے حلف اُٹھائے کہ آنحضرتؐ کو اور آپ کے متبعین کو کعبہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اور مسلمانوں کے سفیر سے سخت بدسلوکی کی جو کعبہ میں داخلہ کے لئے اجازت لینے گیا تھا۔ مکیوں کے ایک دستہ فوج نے مسلمانوں کے قافلہ کو گھیر لیا اور اعلان کر دیا کہ جو مسلمان نکلے گا اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اُنہوں نے آنحضرتؐ پر پتھر اور تیر بھی برسائے[۱]۔ یہ دیکھ کر کہ مکّہ والے کسی طرح نہیں مانتے۔ آپ نے جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے اُن کی تمام شرائط کو ماننے پر رضامندی ظاہر کی۔ بہت ردّ و کد کے بعد ایک معاہدہ عمل میں آیا۔ جس کی رُو سے لڑائیاں دس سال کے لئے ملتوی کر دی گئیں۔ اور یہ قرار پایا کہ اگر قریش کا کوئی آدمی اپنے آقا یا سردار کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو وہ کفار کے سپرد کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکّہ والوں کے پاس آ جائے تو واپس نہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی قبیلہ مسلمانوں سے یا کفار سے اتحاد کرنا چاہے تو

[۱] ان میں سے چند لوگ جب قید ہو کر آنحضرتؐ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے انہیں معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۔ (ابن ہشام)

کوئی مزاحمت نہ کی جائیگی۔ مسلمان اس سال یہیں سے واپس چلے جائیں۔ اور آیندہ سال انہیں حج کرنے کی اجازت ہوگی۔ لیکن وہ صرف تین دن تک مکّہ میں ٹھہر سکیں گے۔ اُن کی تلواریں نیام میں ہوں اور نیام جلبان (تھیلا) میں +

یہ شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس لئے آپ کے بعض جوشیلے مُتّبعین کو جن کے دلوں میں قریش کے ظلم و ستم کی خلش ابھی باقی تھی ناگوار گزریں اس معاہدہ کی تیسری شرط کی رُو سے مسلمان کفار کے ایسے آدمی واپس کرنے پر مجبور تھے جو اپنے سرپرست یا سردار کی اجازت کے بغیر چلے گئے تھے چنانچہ آنحضرتؐ کو اپنے بہت سے مُتّبعین کفار کے حوالے کر دینے پڑے۔ لیکن اس شرط میں چونکہ عورتوں کا ذکر نہ تھا اس لئے کفار کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا۔ آنحضرتؐ نے مدینہ واپس آنے پر اس عالمگیر خواہش کی تکمیل چاہی کہ آپ کا مذہب اقوامِ عالم کو اپنے آغوشِ عالم میں لے لے۔ اور ہمسایہ تاجداروں کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے سُفرأ بھیجے۔ دو سفارتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن میں ایک ہرقل شاہِ یونان کے پاس اور دوسری خسرو پرویز شہنشاہِ ایران کی طرف تھا۔ شہنشاہ اس شخص کی جرأت پر حیران ہوگیا۔ جسے مکّہ والوں نے نکال دیا تھا۔ اور اب وہ خسرِو اعظم کو ایک ہمسر کی طرح خطاب کر رہا تھا۔ اُس نے خط کو پُرزے پُرزے کر دیا اور سفیر کو حقارت کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا جب اس سلوک کی خبر آنحضرتؐ تک پہنچی تو آپ نے آہستگی سے فرمایا۔ اسی

طرح کسریٰ کی سلطنت پارہ پارہ ہو جائے گی۔" اس پیشینگوئی کی صداقت صفحاتِ تاریخ پر خاک و خون سے لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہرقل نے سفیر کے ساتھ نہایت عزّت و تواضع کا سلوک کیا۔ اور بڑی سوچ بچار اور معقولیت سے رسول اللہ کے پیغام کا جواب دیا۔ شام سے روانہ ہونے سے قبل اس نے اس شخص سے ذرا اچھی طرح متعارف ہونا چاہا جس نے اُسے یہ مقدّس دعوت بھیجی تھی۔ اس خیال سے اُس نے چند عربی تاجروں کو طلب کیا جو غزہ میں ایک کاروان کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ انہیں میں ابُوسفیان بھی تھا۔ جو ابھی تک آنحضرتؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔ شہنشاہ نے اُس سے آنحضرتؐ کے متعلق چند سوالات کئے جو روایات میں بجنسہٖ محفوظ ہیں۔ ہرقل نے پُوچھا۔ محمد (صلعم) کیا عہد لیتے ہیں۔ ابُوسفیان نے جواب دیا" وہ ہمیں بُت پرستی سے روکتا ہے اور ایک خدا کی پرستش کرنے کو کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے خیرات دو۔ اور سچائی اور پاکیزگی سیکھو اور بدکاری سے باز رہو۔ اور مکرُوہات سے بچو" جب اُس سے پوچھا گیا کہ اُس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔ تو اُس نے جواب دیا" اُس کے پیرو گروہ در گروہ بڑھ رہے ہیں۔ اور جو ایک دفعہ اُس کا پیرو ہو جاتا ہے پھر کسی طرح واپس نہیں لایا جا سکتا۔ ایک اور سفیر غسّانی شہزادہ کی طرف بھیجا گیا جو دمشق کے قریب بصریٰ میں رہتا تھا۔ بجائے اس کے کہ سفیر کے ساتھ اس عزّت و احترام کا برتاؤ کیا جاتا جو سفرا کے شایانِ شان ہے۔

اُسے اس قبیلے کے ایک عیسائی سردار نے نہایت بیدردی سے قتل کر دیا۔ اس بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو وہ جنگ کرنی پڑی جس نے آخر کار تمام عیسائیت کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا لیکن اس کے متعلق ہم آئندہ لکھیں گے۔



ساتواں باب

اشاعتِ اسلام

فَمَا تَطَاوَلَ آمَالُ الْمَدِيحِ إِلَى ... مَا فِيهِ مِنْ كَرَمِ الْأَخْلَاقِ وَالشِّيَمِ

سنہ ۷ھ ۱۲ / اپریل ۶۲۸ء سے یکم مئی ۶۲۹ء تک

یہودی باوجود اس قدر ہزیمتیں اُٹھانے کے دشمنی سے باز نہ آئے۔ وہ ابھی تک مسلمانوں کی تباہی کے منصوبے سوچ رہے تھے۔ مدینہ سے تین چار روز کے سفر پر جانبِ شمال مشرق اُن کے کئی مضبوط قلعے تھے جن میں سب سے بڑا القموص ایک نہایت دشوار گذار پہاڑی پر واقع تھا۔ یہ تمام قلعے مجموعی طور پر خیبر کہلاتے تھے۔ بنی نضیر اور بنی قینقاع کی کئی شاخیں ان قلعوں میں پناہ گزین تھیں۔ خیبر کے یہودیوں کی دشمنی مسلمانوں کے لئے پہلے ہی کچھ کم نہ تھی اب اُن کے دوسرے بھائیوں کی آمد نے اُن کے جذبات کو اور مشتعل کر دیا۔ یہودیانِ خیبر کے بنی غطفان اور دوسرے بدوی قبائل کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے۔ اُنہوں نے مل کر مسلمانوں کے

خلاف پھر ایک متحدہ قوت قائم کرلی۔ اس خطرے کے دفعیہ کے لئے فوری تدابیر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ محرم کے ابتدائی ایام میں ایک مہم جو چودہ سو اشخاص پر مشتمل تھی خیبر بھیجی گئی۔ یہودیوں نے اپنے اتحادیوں سے امداد کی درخواست کی۔ بنی فزارہ فوراً امداد کو پہنچے۔ لیکن مسلمانوں سے ڈر کر فوراً بھاگ گئے اور اس طرح یہود لڑائی کے نقصانات برداشت کرنے کے لئے اکیلے رہ گئے۔ مسلمانوں نے شرائط پیش کیں لیکن انہوں نے منظور نہ کیں۔ یہودیوں کے سخت مقابلہ کے باوجود قلعہ پر قلعہ فتح ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس ہیبت ناک قلعہ القموص کی باری آ گئی۔ ایک سخت مقابلہ کے بعد یہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس قلعہ کی فتح نے باقیوں کے دل توڑ دیئے۔ اور انہیں اپنی کمزوری کا احساس ہوگیا۔ وہ معافی کے خواستگار ہوئے جو نہایت دریا دلی سے عطا کی گئی۔ اُن کی زمینیں اور دوسری غیر منقولہ جائدادیں اس شرط پر واپس دے دی گئیں۔ کہ آئندہ ان کی روش اچھی رہے گی۔ انہیں فرائض مذہبی کی ادائگی میں آزادی دی گئی۔ اور چونکہ وہ عام محصولات سے مستثنیٰ تھے۔ اس لئے آنحضرت ؐ نے تحفظ کے تبادلہ میں اُن کی پیداوار کا چوتھائی حصہ جمہوریت کی طرف سے بطور محصول عائد کر دیا۔ ایسی منقولہ جائداد جو مسلمانوں نے محاصروں کے دوران میں قلعوں سے حاصل کی تھی مسلمانوں کی فوج میں تقسیم کر دی گئی۔ پیادے کے مقابلے میں سوار کو تین حصے دیئے

گئے۔ ؎۱

۷ھ کے آخر میں آپ نے معاہدۂ قریش سے فائدہ اُٹھا کر زیارت حرم اقدس کا ارادہ کیا۔ اس سفر کو تاریخ میں عمرۃ القضا کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مارچ ۶۲۹ء کا زمانہ تھا کہ آپ دو ہزار مسلمانوں کی معیت میں ادائے عمرہ کے لئے مکّہ کو روانہ ہوئے۔ قریش ان زائرین سے ملنا یا بات تک کرنا نہ چاہتے تھے۔ تین دن کے لئے اُنھوں نے مکّہ خالی کر دیا۔ اور گرد و نواح کی پہاڑیوں پر چڑھ کر مسلمانوں کو دیکھتے رہے۔ میور لکھتا ہے۔ یہ واقعی عجیب نظارہ تھا جو اس وقت وادیٔ مکّہ میں نظر آ رہا تھا۔ ایک بے نظیر نظارہ جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ یہ قدیم شہر تین دن کے لئے اعلےٰ و ادنےٰ ہر طبقے کی آبادی سے خالی ہو جاتا ہے۔ ہر گھر ویران نظر آتا ہے۔ اور اہل شہر کی غیر موجودگی میں بے خانماں مسلمان جو کئی سال سے اپنے وطن سے محروم کر دیئے گئے تھے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گروہ در گروہ آتے ہیں۔ اس تھوڑے سے وقفے کے لئے اپنے بچپن کے پیارے گھروں کو دیکھتے ہیں اور فرائض مذہبی ادا کرتے ہیں۔ ادھر مکّہ والے گرد و نواح کی بلندیوں پر یا دروں اور گھاٹیوں میں پناہ لیتے ہیں۔ اور بوقبیس کی چوٹیوں پر چڑھ کر نووارد

؎۱ مدفون خزانوں کے لئے یہود کو ایذا دینے کی کہانی سراسر جھوٹ ہے۔ اس حملے کے دوران میں کئی مرتبہ یہودیوں نے آنحضرتؐ کے قتل کی کوشش کی (باقی بر صفحہ ۱۳۸)

کی حرکات کا مطالعہ کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے اصول کے مطابق کعبہ کا طواف کرتے ہیں یا صفا اور مروہ پر تیزی سے گذر جاتے ہیں۔ اُن کی بے قرار نظریں کسی بچھڑے ہوئے دوست یا رشتہ دار کے دیدار کی متمنّی ہیں۔ اسلام کی ابتدائی زندگی میں ایسے کئی دردناک نظارے دیکھنے میں آئے ہیں" مسلمانوں نے شرائط کی سختی سے پابندی کی اور تیسرے روز مکّہ کو خالی کر دیا۔ مسلمانوں کی دیانت و امانت دیکھ کر اور اُن کے ضبط و تحمّل اور ایفائے عہد نے دشمنانِ اسلام پر نہایت گہرا اثر کیا۔ قریش کے کئی معزّز افراد جو آنحضرتؐ کی دشمنی اور مخالفت میں سب سے بڑھ کر تھے آپ کی رحمدلی اور شرافت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

یونانیوں کا مسلمان سفیر کو قتل کر دینا ایک ایسا جرم تھا جسے بہ آسانی اور بغیر سزا دیئے نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا۔ غسانی شہزادے سے تاوان کا مطالبہ کرنے کے لئے تین ہزار آدمیوں کی ایک مہم بھیجی گئی۔ حاکمِ غسّان بجائے اس کے کہ اپنی کارروائی پر اظہارِ ندامت کرتا مقابلے پر تیار ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۷) درِ خیبر کے وقت ایک یہودن نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا جس سے ایک صحابی وفات پا گیا۔ آنحضرتؐ پر بھی زہر اثر کر گیا جس سے آپ نے آیندہ بہت تکلیف اُٹھائی۔ اور غالباً اسی زہر کے اثر سے آپ نے وفات پائی۔ باوجود اس سنگین جرم کے آپ نے اس عورت کو معاف کر دیا۔

اور اس طرح اس جھگڑے کو حکومت کا جھگڑا بنا لیا۔ اپنی فوجیں جمع کر کے اُنھوں نے موتہ کے قریب جو شام میں بلقا کے متصل ایک گاؤں ہے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بازنطینیوں کے متعدد حملے کو پسپا تو کر دیا۔ لیکن دشمن کی فوجیں تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔ اس لئے مسلمان مدینہ کو واپس آ گئے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی فوج کے سردار زید بن حارث اور آنحضرتؐ کے عمزاد بھائی جعفرؓ اور کئی دوسرے بلند مرتبہ صحابی شہید ہوئے +

یہی زمانہ تھا جب قریش نے بنی بکر کے ساتھ مل کر معاہدۂ حدیبیہ کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اور باقی منتشر ہو گئے۔ بنی خزاعہ آنحضرتؐ کے پاس فریاد لے کر آئے اور انصاف کا مطالبہ کیا۔ بے انصافی اور ظُلم بہت مُدت تک مکہ میں راج کر چکا تھا۔ اب مکہ والوں نے خود معاہدے کو توڑا تھا اور مکہ کے کئی سرداروں نے بنی خزاعہ کی خونریزی میں حصّہ لیا تھا۔ آنحضرتؐ نے فوراً دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ مکہ کی طرف کوچ کر دیا۔ عکرمہ اور صفوان کی سرکردگی میں اُن کے قبائل نے ہلکی سی مزاحمت کی۔ جس میں چند مسلمان شہید ہوئے۔ ان کے علاوہ کسی کو جُراٗت مقابلہ نہ ہوئی +

اِس طرح آنحضرتؐ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ ظُلم و جوَر کا ستایا ہوا غریب الوطن اپنی رسالت کو رحم و کرم سے ثابت کرنے

آیا۔ وہ شہر جس نے اُسے اور اس کے متبعین کو اذیتیں دے دے کر ایک اجنبی شہر میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ شہر جو اس کی اور اس کے جاں نثار دوستوں کی جان لینے کی قسمیں کھا چکا تھا۔ اب اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ اس کے بے رحم اور ظالم دشمن جنہوں نے پُرامن مردوں اور عورتوں پر ظلم ڈھا کر انسانیت کے نام پر ایک بدنما دھبّہ لگایا تھا۔ اب کلیتہً اُس کے قبضے میں تھے۔ لیکن فتح و عروج کی اس گھڑی میں تمام تکلیفیں بھلا دی گئیں۔ اور تمام مظالم معاف کر دیئے گئے۔ اور مکّہ کی تمام آبادی کو عام معافی دے دی گئی۔ آپ کے بدترین دشمنوں کے شہر میں واجب القتل لوگوں کی فہرست میں صرف چار نام تھے۔ جن پر انصاف موت کا فتویٰ صادر کر چکا تھا۔ فوج نے بھی آپ کی مثال پر عمل کیا۔ اور نہایت امن و سلامتی سے شہر میں داخل ہو گئی۔ کوئی گھر نہ لوٹا گیا۔ اور کسی عورت کی بے حرمتی نہ کی گئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی فوج کی فاتحانہ حیثیت سے ایسے پُرامن طریق پر کسی شہر میں داخل ہونے کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ لیکن عربوں کے اصنام بے دردی سے توڑ دیئے گئے۔ کفار غم و تاسف میں اردگرد کھڑے اپنے معبودوں کے زوال کو دیکھ رہے تھے۔ اُن پر حقیقت واضح ہو گئی۔ جب اُنہوں نے اس پُرانی آواز کو جسے وہ تمسخر اور مزاح میں اُڑایا کرتے تھے بتوں کو گراتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے سُنا۔ "حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوا۔ بے شک باطل

نیست ونابود ہونے والا تھا" اُن کے خدا کس قدر بے بس تھے۔

اس کام سے فراغت پانے کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں قرآن کریم کے الفاظ میں آپ نے اُخوت و مساوات کو انسانیت کا ایک فطرتی حق بتایا اور پھر فرمایا "اے آلِ قریش تمہارا کیا خیال ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے۔" اُنہوں نے جواب دیا "ہمارے نیک بھائی اور شریف برادر زادے! ہم تم سے عفو اور رحم کی اُمّید رکھتے ہیں"۔ طبری لکھتا ہے کہ ان الفاظ پر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور فرمایا "میں تم سے وہی بات کہوں گا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔ آج میں تمہیں ملامت نہ کروں گا۔ خدا تمہیں معاف کرے گا۔ وہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے"۔

اب ایک ایسا نظارہ پیش نظر ہؤا۔ جس کی مثال تاریخ عالم میں نظر نہیں آتی۔ گروہ در گروہ لوگ آتے اور اسلام قبول کرتے چلے جاتے۔ آپ کوہِ صفا پر بیٹھے ہوئے اُن سے وہی عہد لیتے جو آپ نے مدینہ والوں سے لئے تھے "وہ خدا کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ وہ چوری اور بدکاری نہ کریں گے۔ اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ وہ جھوٹ نہ بولیں گے! ور عورتوں کو بُرا نہ کہیں گے"۔

اور اس طرح قرآن کریم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ کہ "جب خدا کی مدد

آ پہنچی۔ اور فتح ہو گئی اور تُو نے لوگوں کو جوق جوق دینِ خدا میں داخل ہوتے دیکھا۔ پس خدا کی حمد و ثنا اور تقدیس کر، اس سے معافی مانگ۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔" آنحضرتؐ کے مقاصد پورے ہو گئے۔ آپ نے اپنے معتدد اصحاب کو تمام اطرافِ صحرا میں قبائل کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے روانہ فرمایا اور اُنہیں تاکیدی احکام دیئے۔ کہ صلح و امن کے ساتھ تبلیغ کریں۔ اُنہیں صرف اپنے تحفظ کے لئے ہتھیار اُٹھانے کی اجازت تھی۔ صرف ایک موقع پر اُن سے سختی کی گئی۔ خالد بن ولیدؓ کے آدمیوں نے اپنے نو مسلم جنگجو سردار کی ماتحتی میں بنی خزیمہ کے چند آدمی مار ڈالے۔ آپ نے غلطی سے اُنہیں دشمن سپاہ سمجھ لیا۔ لیکن دُوسرے مسلمانوں نے دخل انداز ہو کر مزید خونریزی روک دی۔ اس بے جا خونریزی سے آنحضرتؐ کو سخت صدمہ ہُوا۔ آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا۔" اے خدا! میں خالد کے افعال سے بَری ہوں۔" آپ نے فوراً حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا۔ کہ بنی خزیمہ کے نقصان کی ہر ممکن تلافی کر دیں۔ یہ کام حضرت علیؓ کی طبیعت سے پوری مناسبت رکھتا تھا۔ اور آپ نے اسے بہت خوبی سے انجام دیا۔ آپ نے مقتولین کی صحیح تعداد معلوم کی اور اُن کے رُتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اُن کے وُرثا کو پُوری طرح دیت ادا کی۔ جب وُرثا مطمئن ہو گئے۔ تو بقایا رقم جو اُن کے پاس بچ رہی تھی مقتولین کے دُوسرے رشتہ داروں اور افرادِ

خاندان میں تقسیم کر دی گئی۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ اس جود و سخا نے اُن کے دل مسرّت سے بھر دیئے۔ لوگوں کی دُعائیں لیتے ہوئے آپ واپس تشریف لائے۔ آنحضرتؐ نے آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اور بیحد تعریف کی۔

ہوازن، ثقیف اور دوسرے بدوی قبائل جن کی چراگاہیں مکّہ کی سرحد پر واقع تھیں۔ اور جن میں سے بعض کے قصبات طائف کی طرح محفوظ و مضبوط تھے۔ بغیر مقابلے کے مسلمانوں کے مطیع نہ ہونا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے اس ارادہ سے ایک اتحاد قائم کیا کہ مسلمانوں کو تیاری کا موقع ہی نہ دیا جائے اور اچانک حملہ کر دیا جائے۔ لیکن آنحضرتؐ کی مستعدی نے ان کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔

حُنین کے قریب جو مکّہ سے دس میل جانب شمال مشرق واقع ہے ایک خونریز لڑائی کے بعد کفار کو سخت نقصان کے بعد پسپا ہونا پڑا۔ اُن کی فوج دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک گروہ جو زیادہ تر بنی ثقیف پر مشتمل تھا۔ طائف میں پناہ گزین ہوا۔ جس کی حدود سے آٹھ نو سال قبل آنحضرتؐ کو نہایت اہانت سے نکال دیا گیا تھا۔ باقی ماندہ وادی اوطاس کی طرف بھاگ گئے۔ اُن کا تعاقب کیا گیا۔ اور ہوازن کا تمام قبیلہ اپنے جملہ دُنیوی مال و دولت کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ طائف محصور کر لیا گیا۔ لیکن آنحضرتؐ نے جلد ہی محاصرہ اُٹھا دیا۔ آپ کو خوب معلوم تھا کہ حالات خود اُنہیں مجبور کر دیں گے۔

اور طائف والے بغیر خونریزی کے ہتھیار ڈال دیں گے۔ واپسی پر آپ نے ہوازن کے ایک وفد کو منتظر پایا جو اپنے قیدیوں کی واپسی کی التجا لے کر آئے تھے۔ آپ عربوں کی حساس طبیعتوں سے واقف تھے۔ خصوصاً اپنے حقوق کے معاملے میں۔ اس لئے آپ نے جواب دیا کہ میں اپنی قوم کو ثمراتِ فتح سے محروم ہونے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور اگر تم قیدیوں کو واپس لینا چاہتے ہو تو کم سے کم مالِ غنیمت سے تمہیں دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ وہ اس بات پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ دوسرے روز جب آپ متبعین کے ساتھ نماز ظہر ادا فرما رہے تھے وہ پھر آئے اور اپنی گذارشات کو دُہرایا۔ "ہم رسولؐ اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے ہماری شفاعت کریں۔ اور مسلمانوں سے استدعا کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ سے ہماری سفارش کریں کہ وہ ہماری عورتیں اور بچے ہمیں دے دیں۔" آپ نے فرمایا۔ "میں اپنا حصّہ اور آلِ عبدالمطلب کا حصّہ تمہیں واپس دیتا ہوں۔" آپ کے متبعین نے فوراً آپ کی اتباع کی۔ اور ایک لحظے میں چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔ اس فیاضی نے بنی ثقیف کے دل فتح کر لئے۔ اور کئی مسلمان ہو گئے۔ بنی ہوازن کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد جو واقعہ پیش آیا اس سے جہاں اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو مدینہ والوں کے دلوں پر کس قدر قبضہ حاصل تھا۔ اور آپ نے ان میں کس قدر جاں نثاری کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے

کہ آپ اپنی زندگی میں مال و دولت کی شکل میں اُنہیں کچھ بھی پیش نہ کر سکے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم میں زیادہ حصّہ مکّہ کے نومسلموں کو دیا گیا۔ بعض انصار نے اُسے جانب داری پر محمول کیا۔ جب یہ باتیں آپ کے کانوں تک پہنچیں تو آپ نے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اور اُن سے ان الفاظ میں خطاب کیا:۔

"اے انصار! جو باتیں تم آپس میں کر رہے ہو مجھ تک بھی پہنچی ہیں۔ جب میں تمہارے پاس آیا تو تم جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ اور خدا نے تمہیں صراطِ مستقیم دکھایا۔ تم دُکھوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اُس نے تمہیں آرام دیا۔ تم ایک دُوسرے کے دشمن تھے اُس نے تمہیں اخوّت و محبت کے رشتہ میں پرو دیا۔ مجھے بتاؤ کیا یہ صحیح نہیں ہے؟" اُنہوں نے جواب دیا "واقعی ایسا ہی ہے۔ جیسا آپ فرماتے ہیں۔ خدا اور اُس کے رسُولؐ نے ہم پر شفقت و مہربانی کی۔" آپ نے فرمایا "نہیں، خدا کی قسم ہے۔ اگر تم اس طرح جواب دیتے تو صحیح تر تھا۔ اور مَیں اس کی صداقت پر گواہ ہوتا کہ "لوگوں نے تجھے دغاباز اور جھوٹا کہہ کر راند دیا۔ تو ہمارے پاس آیا اور ہم تم پر ایمان لائے۔ تو ہمارے پاس بے یار و مددگار آیا۔ ہم نے تیری مدد کی۔ تُو غریب اور بے خانماں تھا ہم نے تجھے پناہ دی۔ تجھے کوئی تسلّی و تشفّی دینے والا نہ تھا۔ ہم نے تیری ہمت بندھائی اور دلجوئی کی۔ اے انصار! دُنیا کے فانی مال کے لئے اپنے دلوں کو پریشان کیوں کرتے ہو؟ کیا تم اس سے مطمئن نہیں ہو کہ دُوسرے

اُونٹ اور بکریوں کے ریوڑ لے لیں اور تم مجھے لے کر اپنے گھروں کو جاؤ۔ اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں تمہیں کبھی نہ چھوڑوں گا۔ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو جائے اور انصار دوسری طرف تو یقیناً میں انصار کی طرف جاؤں گا۔ خدا اُن پر مہربان ہو۔ اُن کی اولاد اور اُن کی اولاد کی اولاد پر رحمتیں نازل فرمائے۔" مؤرخ لکھتا ہے کہ ان الفاظ پر انصار اس قدر روئے کہ اُن کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اور سب یک زبان ہو کر پکار اُٹھے۔" یا رسول اللہ ہم اپنے حصے پر مطمئن ہیں۔" مجمع مطمئن ہو کر منتشر ہو گیا ۔

اِس کے بعد جلد ہی آنحضرتؐ مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے ۔



آٹھواں باب

عام الوفود

فاق النبیین فی خَلقٍ وفی خُلُقٍ — ولم یدانوہ فی علمٍ ولا کرمٍ
دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم — واحکم ما شئت مدحاً فیہ واحتکم

(قصیدۃ البردہ)

اِنّ الرسول لنورٌ یستضاء بہٖ — وصارمٌ من سیوف اللہ مسلولُ

کعب ابن زبیر

۹ھ ۔ ۲۰ اپریل ۶۳۰ء سے ۹ اپریل ۶۳۲ء تک

نویں صدی ہجری ان وفود کی وجہ سے مشہور ہے۔ جو گروہ در گروہ اطاعت کے لئے حاضر ہوئے۔

وحشیانہ بہادری، خونریزی اور کفر کی ایک گھٹا جو اس ملک پر چھا رہی تھی ہمیشہ کے لئے کھل گئی اور زمانہ جاہلیت ختم ہو گیا +

فتح مکہ نے عرب کی صنم پرستی کا فیصلہ کر دیا۔ جو لوگ ابھی تک اپنی

خوبصورت ماہتابی دیویوں لات، منات اور عزّیٰ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس قلعہ کے سقوط نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ مکہ والوں کی اطاعت سے دوسرے صحرائی قبائل بہت متاثر ہوئے اور ان قبائل کی طرف سے جو مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے۔ اتحاد و اطاعت کے لئے وفود آنے شروع ہوئے۔ آنحضرتؐ کے مقتدر صحابی اور مدینہ کے ذی رتبہ باشندے ان سفرا کو اپنے گھروں پر اتارتے اور عرب کی مشہور مہمان نوازی کے مطابق اُن کی خوب خاطر مدارات کرتے۔ واپسی پر انہیں زادِ راہ کے طور پر معقول رقمیں دی جاتیں۔ اور ہر شخص کے رتبے اور حیثیت کے مطابق تحائف بھی دیئے جاتے۔ اکثر قبائل کے حقوق کے متعلق تحریری دستاویز عطا کی جاتی اور ایک معلّم دیا جاتا تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات انہیں سکھائے۔ اور صنم پرستی کا شائبہ تک مٹ جائے۔

اس اثنا میں جبکہ یہ عظیم الشان مُدبّر قبائل عرب کو جدید احکام ربانی کے رشتے میں پرو رہا تھا۔ بیرونی خطرات سے بھی خبردار رہتا تھا۔

بازنطینی اب فتح عرب کے وہی خواب دیکھنے لگے۔ جنہوں نے ایک دفعہ اس سے قبل سلطنت روما کے بانی کو فوجیں بھیجنے پر آمادہ کیا تھا[۱]۔ ہرقل ایرانیوں کو شکست دے کر پھولا ہوا تھا۔ اُس کی سیاست بین نگاہ عرب کے عجیب و غریب انقلابات کو تاک رہی تھی اور شاید اسے عربوں کی مٹھی بھر فوج

[۱] اگسٹس کے عہد میں ایلیس گیلس کا حملہ۔

کے ہاتھوں اپنے نائبین کی شکست بھول گئی تھی۔ اثنا قیام شام میں اُس نے اپنے
جاگیرداروں کو عرب پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک عظیم الشان فوج جمع کرنے
کی ہدایات دے دی تھیں۔ ان کی جنگی تیاریوں کی خبر مدینہ میں بھی پہنچی اور مسلمانوں
میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہوتی۔ تو دولت عامۂ اسلامیہ کے لئے
ایک زبردست خطرہ درپیش تھا۔ اس حملے کی روک تھام کے لئے تمام اطراف
کے رضا کار بلائے گئے۔ بدقسمتی سے نجد اور حجاز کو ایک سخت خشک سالی نے
تباہ کر رکھا تھا۔ کھجوروں کی فصل تباہ ہو گئی تھی۔ باربرداری کے بے شمار جانور
ہلاک ہو گئے تھے۔ اور دیہات کے لوگ ایسے حال میں اپنے گھروں سے دور
کسی لڑائی پر جانے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ بعض بزدلوں نے بازنطینیوں کی
طاقت سے مرعوب ہو کر اور گرمی کی زیادتی اور سفر کی صعوبات کو پیش نظر رکھ
کر موسم کی خرابی کا بہانہ پیش کر دیا۔ کئی لوگوں نے اس خدمت سے معذوری کا
اظہار کیا۔ اور آنحضرتؐ نے ایسے لوگوں کو جو کمزوری کی وجہ سے ہتھیار نہ اُٹھا
سکتے تھے۔ یا جو بہت غریب تھے اور اپنے گھر نہ چھوڑ سکتے تھے یا جو اکیلے اپنے
گھرانوں کا سہارا تھے۔ اس خدمت سے معذور رکھا۔ بے دلوں کی بے دلی کو
منافقین کی سازشوں نے بڑھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا لیکن آنحضرتؐ
کے خاص اور مخلص احباب کی مثال نے بزدلوں میں بھی جوش پیدا کر دیا۔ اور
منحرفین کو سخت ندامت ہوئی۔ جلد ہی یہ جوش تمام لوگوں میں پھیل گیا۔ مصارف

جنگ کے لئے چندہ شروع ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال پیش کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے بہت سے رضاکاروں کے تمام مصارف اپنے ذمہ لے لئے۔ اور دُوسرے ذی رُتبہ اصحاب نے بھی ایسی ہی فراخدلی سے کام لیا۔ عورتوں نے اپنے جواہرات اور زیور حکومت کی ضروریات کے لئے پیش کر دیئے۔ اس طرح ایک عظیم الشان فوج تیار ہو گئی۔ اور آنحضرتؐ کی معیت میں سرحد کی طرف کُوچ ہو گیا۔

آنحضرتؐ کی غیر موجودگی میں شہر حضرت علیؓ کے سپُرد ہوا۔ عبداللہ بن اُبی اور دُوسرے منافقین "ثنیۃ الوداع" تک فوج کے ساتھ گئے لیکن وہاں سے پھر مدینہ کو واپس آ گئے۔ یہاں اُنہوں نے مشہور کر دیا کہ آنحضرتؐ اپنے چچا کے بیٹے (علیؓ) کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ یہ نفرت انگیز افواہ حضرت علیؓ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ آپ کو سخت غیرت آئی۔ اپنے ہتھیار سنبھالے اور فوج کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ آپ نے جلد ہی فوج کو جا لیا! اور آنحضرتؐ سے سب معاملہ کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا "یہ ایک جھوٹا الزام ہے میں نے تمہیں بطور خلیفہ وہاں رکھا ہے۔ اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔ اور میرے اور اپنے لوگوں پر خلیفہ کے فرائض انجام دو۔ علیؓ! کیا تم اس بات سے مطمئن نہیں کہ تمہارا درجہ میرے نزدیک وہی ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کا تھا[1]۔ چنانچہ

[1] کذبوا ولکنی خلفتک لما ترکت ورای فارجع فاخلفنی فی (باقی بر صفحہ ۱۵۱)

حضرت علیؓ واپس تشریف لائے +

افواجِ اسلام نے گرمی اور پیاس کی وجہ سے سخت اذیتیں اُٹھائیں۔ اس تکلیف دہ سفر کے بعد فوجیں تبوک میں ٹھہر گئیں جو مدینہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ یہاں وہ یہ سُن کر حیران رہ گئے۔ اور شاید مطمئن بھی ہوئے۔ کہ یُونانی شہنشاہ کے حملے کی خبر بالکل بے بُنیاد تھی۔ فی الحال دولتِ عامۂ مدینہ کو کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو واپسی کا حکم ملا۔ تبوک میں جہاں پانی اور چارے کی فراوانی تھی مسلمانوں نے بیس دن تک آرام کیا۔ اور پھر ماہِ رمضان میں مدینہ کو واپس آگئے +

مدینہ کی واپسی پر سنگدل طائف والوں کا وفد آیا۔ وہی لوگ جنہوں نے آنحضرتؐ کو نہایت بے رحمی سے اپنے علاقہ سے نکال دیا تھا۔ طائفی سردار عروہ جو صلحِ حدیبیہ کے بعد قریش کے ایلچی کی حیثیت سے مکہ آیا تھا۔ آنحضرتؐ کی گفتگو اور اخلاقِ کریمانہ سے اس قدر متاثر ہؤا کہ اپنے فرائض انجام دینے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد حاضرِ خدمت ہؤا اور مسلمان ہو گیا۔ آنحضرتؐ کے ان تمام خطرات سے آگاہ کرنے کے باوجود جس میں وہ اپنے متعصب شہریوں میں جاکر اپنے آپ کو ڈال رہا تھا وہ نہ رُکا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی تبدیلیٔ مذہب لوگوں پر ظاہر کرے۔ اور اُنہیں بھی برکاتِ اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا

(بقیہ صفحہ ۱۵۰) اھلی و اھلک فلا ترضی یا علی ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ ابن ہشام

موقع دے۔ وہ رات کے وقت طائف پہنچا۔ اُس نے اسی وقت لوگوں کو جمع کر کے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور دعوتِ اسلام دی۔ دوسری صبح اُس نے پھر ایسا ہی کیا۔ لیکن اُس کے الفاظ نے کافر پروہتوں اور عُزّیٰ کے پرستاروں کو غصّے سے دیوانہ بنا دیا۔ چنانچہ اُنہوں نے عروہ کو سنگسار کر دیا۔ اُس نے دم توڑتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنا خون اپنے آقا اور اُس کے مُتبعین کی نذر کیا۔ اور شہادت کا بلند مرتبہ ملنے پر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ آخر میں اپنے دوستوں کو وصیّت کی کہ مجھے شہدائے حنین کے پاس دفن کیا جائے۔ عروہ کے آخری الفاظ اس کے ہمعصروں پر گہرا اثر کر گئے۔ شہید کا خون قاتلوں کے دلوں میں ایمان بن کر ظاہر ہوا۔ رحم نے اُن کے دل نرم کر دیئے۔ اور شاید وہ صحرائی قبائل کی عداوتوں سے بھی تنگ آ چکے تھے۔ اس کا نتیجہ وہ وفد تھا جس کا ذکر ہم اُوپر کر آئے ہیں جو عفوِ تقصیرات کے لئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے آئے تھے۔ اُنہوں نے استدعا کی کہ ہمارے بُتوں کو تھوڑی سی مُہلت بھی دی جائے۔ پہلے اُنہوں نے دو سال کی مُہلت مانگی۔ پھر ایک سال کی پھر چھ ماہ کی۔ لیکن سب کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ اُنہوں نے سمجھا کہ ایک ماہ کی مُہلت تو ضرور دی جائے گی۔ اس لئے اس درخواست پر اڑے رہے۔ لیکن آنحضرتؐ کا فیصلہ اٹل تھا۔ اسلام اور بُت پرستی اجتماعِ ضدین تھا۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ ہمیں نماز سے معذور رکھا جائے۔ آپ نے فرمایا۔

"عبادت کے بغیر مذہب بے معنی ہے۔" آخر انہوں نے آزردہ دلی سے سب کچھ قبول کر لیا۔ بہرحال انہیں اس قدر رعایت ضرور دی گئی کہ بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں۔ یہ کام ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ کے سپرد ہوا۔ جنہوں نے طائف کی عورتوں کے نالۂ وبکا کے درمیان اس کام کو انجام دیا۔

اب قبیلہ طے نے سر اٹھایا جنہیں پروہت بھڑکا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی مہم حضرت علیؓ کی سرکردگی میں اُن کے بتوں کو توڑنے کے لئے بھیجی گئی۔ عدی اس قبیلہ کا سردار تھا۔ جو اس حاتم کا بیٹا تھا جس کی فیاضی اور خیرات کے کارنامے مشرقی دنیا کے بچے بچے کی زبان پر رواں ہیں۔ عدی حضرت علیؓ کے پہنچتے ہی شام کی طرف بھاگ نکلا۔ لیکن اُس کی بہن اور قبیلہ کے کئی دوسرے معزز سردار مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے۔ انہیں نہایت عزت سے مدینہ لایا گیا۔ آنحضرتؐ نے قیمتی تحائف دے کر سب کو آزاد کر دیا۔ عدی کی بہن شام میں گئی اور اپنے بھائی کو آنحضرتؐ کے خلق و مروت کا تمام قصہ کہہ سنایا۔ عدی کا دل احساسات ممنونیت سے پُر ہو گیا۔ وہ جلدی سے مدینہ آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنے قبیلے میں جا کر انہیں بھی صنم پرستی ترک کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اس طرح بنی طے جو کفر میں جکڑے ہوئے تھے اسلام کے سچے پیرو بن گئے[۱]۔

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۹۴۷-۹۴۹۔ ابن الاثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۸۔ طبری جلد دوم صفحہ ۱۷۱-۱۷۴۔
عدی ربیع الثانی ۹ھ میں اسلام لایا۔ اس حساب سے اس واقعے کو (باقی بر صفحہ ۱۵۴)

تبدیلیٔ مذہب کی دوسری قابلِ ذکر مثال کعب ابن زہیر کی ہے۔ یہ شخص بنی مزاعنہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ اور مسلمانوں کے خلاف دشمن قبائل کو اُبھارنے میں خاص حصہ لیتا رہا تھا۔ اس کے مسلمان بھائی نے اسے اسلام لانے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ کعب خفیہ طور پر مدینہ میں داخل ہوا۔ اور آنحضرتؐ کے پاس مسجد میں چلا گیا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک شخص کے گرد چند عرب بیٹھے ہوئے نہایت تعظیم و تکریم

(بقیہ صفحہ ۱۵۳) غزوۂ تبوک سے پہلے بیان ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن میں نے اس معاملے میں مؤرخین عرب کی ترتیب کا تتبع کیا ہے۔ جب حاتم کی بیٹی آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی گئی تو اُس نے آپ سے اس طرح خطاب کیا "یا رسول اللہؐ! میرا باپ وفات پا چکا ہے۔ میرا اکیلا رشتہ دار میرا بھائی مسلمانوں کو دیکھتے ہی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ میں اپنا فدیہ ادا نہیں کر سکتی اس لئے اپنی آزادی کے لئے آپ کے رحم و کرم سے درخواست کرتی ہوں۔ میرا باپ ایک ذی مرتبہ انسان تھا۔ اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ قیدیوں کو آزاد کرایا کرتا تھا۔ عورتوں کی حمایت کرتا تھا۔ غریبوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ مصیبت زدوں کی امداد کرتا تھا۔ اُس نے کبھی کسی کا سوال رد نہ کیا تھا۔ میں حاتم کی بیٹی ہوں۔" آپ نے فرمایا "تیرے باپ میں مومنوں جیسی صفات تھیں۔ اگر مجھے ایسے شخص کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت ہوتی۔ جس نے اپنی زندگی بُت پرستی میں گذاری ہو۔ تو میں حاتم کی رُوح کے لئے ضرور دعا کرتا۔" پھر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "حاتم کی بیٹی آزاد کی جاتی ہے۔ اس کا باپ نیک اور رحمدل تھا۔ اور خدائے تعالیٰ رحمدلوں سے محبت رکھتا ہے اور اُنہیں اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے"۔

سعدی نے بوستان میں اس واقعہ کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔

سے اُس کے ارشادات سُن رہے ہیں۔ اُس نے رسولؐ اللہ کو پہچان لیا اور صفوں کو چیرتا ہؤا آپ کے قریب پہنچ کر بولا "یا رسولؐ اللہ اگر میں کعب کو مسلمانی کی حالت میں آپ کے سامنے پیش کر دُوں تو کیا آپ اُسے معاف فرما دیں گے۔ آپ نے فرمایا" ہاں!" اُس نے کہا "تو سُنئے! میں ہی کعب ابن زہیر ہوں"۔ مجمع میں سے کئی آدمی اُسے قتل کرنے کے لئے لپکے۔ رسُول اللہؐ نے فرمایا "ٹھہرو! میں اسے امان دے چکا ہوں" کعب نے قصیدہ پڑھنے کی اجازت چاہی۔ جو ہمیشہ سے عربی شاعری کا شاہکار سمجھا گیا ہے۔ جب وہ ان الفاظ پر پہنچا "رسولؐ ایک مشعل ہے۔ جس نے تمام دنیا کو منوّر کر دیا۔ وہ خدا کی تلوار ہے۔ جو کفر کو فنا کرتی چلی جا رہی ہے" تو آپ نے اپنا خرقہ اُتار کر اُسے دے دیا۔ جو بعد میں اُس کے خاندان نے معاویہ کے ہاتھ چالیس ہزار درہم میں فروخت کیا۔ اور بنی اُمیّہ اور بنی عباس سے ہوتا ہؤا اب سلطنت عثمانیہ کے پاس محفوظ ہے۔ اور اشد ضروریات کے وقت علَم قومی کی حیثیّت سے بلند کیا جاتا ہے۔

اِس وقت تک کفار کو کعبہ میں داخل ہونے اور اپنی کافرانہ عبادات کی بجاآوری کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ اب فیصلہ کر لیا گیا کہ اس ناپاک صُورت حالات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے۔ تاکہ غیر راسخ دل پھر بُت پرستی کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس سال کے آخری مہینے یعنی ذوالحج میں قربانی کے دن (یوم النحر) ایک اجتماع عظیم کے رُوبرو حضرت علیؓ نے اعلان کیا۔ کوئی

بُت پرست اس سال کے بعد کعبہ کا حج نہ کرے گا۔ کسی شخص کو برہنہ طواف کعبہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ جن قبائل کے رسول اللہؐ سے معاہدات ہو چکے ہیں۔ ان پر ہم مُدت معاہدہ ختم ہونے تک قائم رہیں گے۔ دوسروں کو چار ماہ کی مُہلت دی جاتی ہے تاکہ اس مُدت میں وہ اپنے علاقوں میں واپس چلے جائیں۔ اس کے بعد رسول اللہؐ پر کسی قسم کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ سوائے اُن کے جن کے ساتھ معاہدات ہو چکے ہیں۔

یہ اعلان رسولؐ اللہ کی دُور اندیشی کا ایک نمایاں ظہور تھا۔ اگر مسلمانوں کو حج میں کفار سے ملنے دیا جاتا اور اُن کی فحش اور ذلیل رسُوم کو جاری رہنے دیا جاتا تو وہ ثمرات جو آنحضرتؐ نے اس محنت و جانکاہی سے حاصل کئے تھے۔ تھوڑی ہی مُدت میں ضائع ہو جاتے۔ تاریخ نے عربوں جیسی ہی ایک قوم کو دیکھا ہے جو بُت پرستوں میں آکر آباد ہوئی۔ اُس کے پیشواؤں نے یہوداہ کی پرستش کو محفوظ رکھنے کے لئے بعل کے پرستاروں کو گروہ در گروہ قتل کیا۔ لیکن اس کے باوجود بالکل ناکام رہے۔ اسرائیلی نہ صرف تاثرات بد کے ماحول میں دب گئے۔ بلکہ جن کفرانہ عقائد کی وجہ سے وہ اُن سے نفرت کرتے تھے۔ اُنہیں کے عمل میں خود اُن سے بازی لے گئے۔ آپ کو معلوم تھا کہ کفار کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات کا قیام آپ کے کام کو تباہ کر دے گا۔ آپ نے جو وسائل اختیار کئے بظاہر تو وہ دُرشت نظر آتے ہیں۔ لیکن انہیں میں رحمت و شفقت پوشیدہ تھی۔ یہ عظیم الشان گروہ حضرت

علیؓ کا اعلان سُن کر اپنے گھروں کو واپس چلا گیا۔ لیکن آیندہ سال ابھی حج کے دن نہ آئے تھے کہ دُنیا نے اُنہیں مسلمان دیکھ لیا +

نواں باب

تکمیلِ رسالت

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

سنہ ۱۰ھ - ۹ر اپریل سنہ ۶۳۱ء سے ۲۹ر مارچ سنہ ۶۳۲ء تک | اس سال کے دوران میں مختلف قبائل اور سرداروں کی طرف سے اطاعت کی تصدیق کے لئے سُفراء آئے جن مُبلّغوں کو آپ دُوسرے صوبوں میں بھیجتے۔ انہیں مندرجہ ذیل ہدایات دی جاتیں +

"لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور سختی کا اظہار نہ کرنا۔ انہیں بشارتیں دینا۔ اور مغموم نہ کر دینا۔ اور تمہیں اہلِ کتاب ملیں گے جو تم سے کلیدِ آسمانی کے متعلق دریافت کریں گے۔ تم جواب دینا کہ آسمان کی کلید ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں "+

مقاصدِ رسالت کی تکمیل ہو گئی۔ وحشت و بربریت میں ڈوبی ہوئی ایک قوم میں

سے نبی مبعوث ہوا۔ جس نے "انہیں خدائے تعالیٰ کے نشانات دکھائے۔ انہیں پاک کیا۔ اور قرآن اور حکمت کی تعلیم دی" اس نے انہیں ذلت، خونخواری اور توہمات میں غرق پایا۔ اور انہیں سچائی اور محبت میں خدائے واحد کا جلوہ دکھایا۔ اُس نے انہیں افتراق اور ایک دوسرے کے خلاف ایک لامتناہی جنگ میں مصروف پایا۔ اور انہیں اخوت اور رحم کے رشتے سے وابستہ کر دیا۔ زمانۂ دراز سے جزیرہ نمائے عرب جہالت کی تاریکیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ روحانیت بالکل نابود ہو چکی تھی۔ یہودیت اور عیسائیت عربوں کے دل پر دیرپا اثر ڈالنے میں ناکام رہی تھیں۔ لوگ توہمات ظلم اور زبوں کاری میں ڈوبے ہوئے تھے۔ محرمات سے نکاح اور اولاد کے قتل جیسے خبیثانہ رواج جاری تھے۔ سب سے بڑا بیٹا دوسری جائداد کے ساتھ اپنے باپ کی بیواؤں کو بھی ورثہ میں پاتا تھا۔ اپنی کم سن لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا حیوانیت سے بدتر فعل قبائل قریش اور کندہ میں سب سے زیادہ رائج تھا اور ہندو راجپوتوں کی طرح اسے قابلِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ حیات بعد الممات اور نیکی اور بدی کی جزا و سزا کو کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ تھی عرب کی حالت بعثتِ رسولؐ سے چند سال پیشتر۔ اور اس کے چند ہی سال بعد کیسا عظیم الشان انقلاب آیا! یقیناً آسمانی فرشتہ اس ملک پر پھر گیا۔ اور ان لوگوں کے دلوں میں جو اب تک افعالِ قبیحہ میں پھنسے ہوئے تھے امن و محبت کی روح پھونک گیا۔ ایک اخلاقی ویرانے کی بجائے جہاں خدا اور انسان کے تمام قوانین کو نہایت بے دردی سے پامال کیا جاتا تھا۔ ایک خوشنما باغ

میں نظر آنے لگا۔ کفر اپنے لاانتہا مکروہات کے ساتھ یکسر فنا کر دیا گیا۔ تاریخ عالم میں اسلام ہی ایک ایسے عظیم الشان مذہب کی مثال پیش کرتا ہے۔ جس نے ایسے لوگوں میں اشاعت پائی۔ اور لوگوں پر حکومت کی جن پر ابھی آفتاب تہذیب کی پہلی کرن بھی نہ چمکی تھی۔ اور اس کے باوجود وہ بُت پرستی کے استیصال میں عملی طور پر کامیاب ہوا۔ یہ نادر الظہور واقعہ اسلام کی فتح الفتوح سمجھا جائے گا۔ اور اس کے بانی کی حکمت و دانش کا نمایاں ترین ثبوت شمار ہوگا۔ یہود اور عیسائیوں نے عربوں کو کفر و الحاد، وحشت اور اخلاقی مذلت سے نکالنے کے لئے مدتوں سر پٹکا۔ لیکن جب تک اُنہوں نے "خدا کے رسُولؐ" سے "رُوح کو بیدار کرنے والے نغمے" نہ سُن لئے وہ اس خدائے حق کی ہستی کے قائل نہ ہوئے جو کائنات کو اپنی قوت اور محبت سے محیط کئے ہوئے ہے۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کا مطمح نظر دُنیا نہیں ہے۔ بلکہ قبر سے پرے، بلند تر اور پاک تر، خیرات، نیکی، انصاف اور عالمگیر محبت ہے۔ اب ان کا خدا وہ امروز و فردا کا خدا نہیں ہے۔ جو لکڑی اور پتھر سے تراشا جاتا تھا۔ بلکہ ایک زبردست رحمٰن و رحیم اور خالق ارض و سما خدا ہے۔ اس نئی بیداری کے مصدر و منبع آنحضرتؐ تھے۔ آپ وہ سیمیں چشمہ تھے۔ جس سے ابدی اُمیدوں کی نہریں بہ نکلیں۔ اب ان کی زندگی کا صرف یہ مقصد تھا۔ کہ خدا کی عبادت زہد و تقویٰ سے کریں اور زندگی کے ہر شعبے میں اُس کے احکام کو بجا لائیں۔ وہ حقائق و عقائد اور وہ نصائح و احکام جو آنحضرتؐ وقتاً فوقتاً گذشتہ بیس سال

سے اپنے متبعین کو تلقین کرتے رہے تھے اُن کے دلوں پر ثبت ہو گئے۔ اور اُن کی زندگی کا دستور العمل بن گئے۔ قانون اور اخلاق متحد ہو گئے" اس زمانہ سے لے کر جب قدیم عیسائیت نے خوابیدہ دُنیا کو یکدم بیدار کر دیا تھا۔ اور کفر کے خلاف ایک موت آفرین جنگ شروع کر دی تھی۔ چشمِ عالم نے ایسی رُوحانی بیداری کا نظّارہ نہ کیا تھا +

آپ کا کام تکمیل کو پہنچ گیا۔ یہ حقیقت کہ آپ کا تمام کام آپ کی زندگی ہی میں مکمّل ہو گیا۔ تمام زمانوں اور تمام ملکوں کے پیغمبروں، حکیموں اور فلاسفروں پر آپ کے نمایاں تفوق کا اظہار کرتی ہے۔ حضرات عیسیٰؑ، موسیٰؑ، زرتشت، ساکیامُنی اور افلاطون ہر ایک کے خدا کی بادشاہت کے متعلق جمہوریت کے متعلق اور اُن عقائد کے متعلق اپنے اپنے تصوّرات تھے جن کے ذریعہ انہوں نے انسان کو پستی سے نکال کر ایک جدید اخلاقی بلندی پر کھڑا کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ تمام اپنی اُمیدوں کے پُورا ہوئے بغیر اور اپنی درخشاں خوابوں کی تعبیر دیکھے بغیر دُنیا سے رُخصت ہو گئے اور اپنے ہم جنسوں کی فلاح و بہبود کا کام اپنے قوی متبعین یا تاجدار نگر دوں کے سپرد کر گئے[۱]۔ یہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ اپنا کام اور اپنے پیشرووں کا کام تکمیل تک پہنچائیں۔ بنی نوع انسان کی اصلاح اور دُرستی کا کام صرف آپ کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ آپ کا کوئی تاجدار پیرو اپنی افواج قاہرہ

[۱] اسرائیلیوں میں یوشع، بدھوں میں اشلوک، زرتشتیوں میں دارلیس اور عیسائیوں میں قسطنطین +

کے زور سے آپ کی تعلیمات منوانے نہ آیا۔ کیا مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ تمام کام انسان نے نہیں بلکہ خود خدا نے انجام دیا ◆

وُہی غریب واعظ جسے ابھی اگلے دن اپنے ہی وطن میں جور وستم سے کہیں پناہ نہ ملتی تھی اور جسے اس جگہ سے پتھراؤ کر کے نکال دیا گیا تھا جہاں وہ خدا کا پیغام سنانے گیا تھا۔ نو سال کے مختصر سے زمانے میں اپنی قوم کو اخلاقی اور رُوحانی مذلتوں کی گہرائیوں سے نکال کر پاکیزگی اور صداقت کی بلندیوں پر لا کھڑا کرتا ہے ◆

آپ کی زندگی صداقت اور ذوقِ یقین سے اپنے مفوّضہ کام کی انجام دہی کی بہترین مثال ہے۔ آپ نے خوابیدہ لوگوں میں عمل کی رُوح پھُونک دی۔ آپ نے متخاصم قبائل کو مُتحد کر کے ایک قوم بنا دیا اور ابدی زندگی کی اُمیدیں پیدا کر دیں۔ آپ نے روشنی کی منتشر کرنوں کو جو ہمیشہ سے انسان کے دل پر منعکس ہوتی چلی آئی تھیں ایک شیشہ میں مرکوز کر دیا۔ یہ تھا آپ کا کام۔ اور آپ نے اسے ایسے جوش اور سرگرمی سے انجام دیا کہ کوئی مصالحت قبول نہ کی۔ کسی رکاوٹ کو محسوس نہ کیا۔ ایسی جوانمردانہ ہمت سے کام لیا جو کسی مزاحمت کو خاطر میں نہ لائی۔ خطرناک نتائج کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ نے اپنے واحد مقصد کے حصُول میں اپنی ذات تک کو بھُلا دیا۔ وحدانیتِ الٰہی کا وہ سبق جو گلیلی کے ساحلوں پر دیا گیا تھا گوشت و پوست کے بنے ہوئے خدا کی پرستش میں تبدیل ہو چکا تھا۔ احد خداوندِ ناصرہ کی پیروی کے دعویداروں میں ایک دیوی کی قدیم پرستش جاری ہو چکی تھی۔ جس کا

گوشہ نشین وہ اُمّی فلسفی جو ایک ہٹیلے بُت پرستوں کی قوم میں پیدا ہوا اُن اقوام عالم کے دلوں پر جنہوں نے ایک دفعہ اس کی آواز سُنی خدا کی وحدانیت اور انسان کی مساوات کا ایسا نقش بٹھا گیا جو مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ اس کی "جمہوریت نواز گرج" نے پروہتوں اور حکمرانوں کے ظلم و ستم کے خلاف عقل انسانی کو بیدار کر دیا اُن متخاصم مذاہب اور ظالمانہ عقائد کے زمانے میں جب انسان کی روح بعید الفہم عقائد کے بوجھ تلے دبی جا رہی تھی اور انسانی جسم خود غرضانہ فوائد کے لئے کچلے جا رہے تھے اس نے ذات پات اور امتیازی فوائد کی تمام زنجیروں کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس نے ان تمام عنکبوتی جالوں کو جو انسان اور خدا کے درمیان تانے گئے تھے ایک پھونک سے اُڑا دیا۔ اُس نے خالق کے ساتھ مخلوق کے تعلقات براہِ راست قائم کر دیئے۔ اس نبی اُمّی نے جس کا پیغام اقوام عالم کے نام تھا علم و دانش کی قدر و قیمت بتائی۔ اُس نے بتایا کہ قلم کے ذریعے انسان کے کارنامے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ قلم کے ذریعے انسان کا موازنہ کیا جاتا ہے۔ قلم ہی خدائے تعالیٰ کی نظروں میں افعالِ انسانی کا آخری منصف ہے۔ آپ کا عقل اور دماغ کام میں لانے پر اصرار، آپ کا معجزات دکھانے سے انکار، خدائی حکومت کے متعلق آپ کا جمہوری تصور، آپ کے مذہبی خیالات کی عمومیت، آپ کی سادہ شریعت، تمام باتیں آپ کو اپنے پیشرووں سے ممتاز کر رہی ہیں۔ تمام باتیں آپ کو عصرِ جدید سے مطابقت رکھتی ہیں۔ آپ کی زندگی

اور آپ کے کام اسرار و رموز میں لپیٹے ہوئے نہیں اور نہ آپ کی ذات کے متعلق جھوٹے قصے لکھے گئے ہیں +

جب عرب کے لوگ فوج در فوج اسلام کے قبول کرنے کو آئے تو آپ نے محسوس کیا کہ آپ کا کام تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ اُس وقت آپ کو اپنا انجام قریب نظر آیا اور آپ نے آخری حج کا ارادہ کیا۔ ۲۵ ر ذیقعد (۲۳ ر فروری ۶۳۲ء) کے دن مسلمانوں کی ایک عظیم الشان جماعت کے ساتھ رسولؐ اللہ مدینہ سے رخصت ہوئے۔ مکہ پہنچنے پر اور مناسک حج ادا کرنے سے قبل (۸ ر ذوالحج) آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو ابدالآباد تک مسلمانوں کے دلوں سے محو نہ ہوگا +

"لوگو! میری بات سُنو۔ معلوم نہیں کہ میں اور تم پھر کبھی اس جگہ اکٹھے ہونگے یا نہیں۔ لوگو تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن اس شہر کی اور اس مہینے کی حُرمت کرتے ہو۔ تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی نسبت سوال فرمائے گا +

لوگو! تمہارے عورتوں پر کچھ حقوق ہیں۔ اور عورتوں کے تم پر حقوق ہیں۔ عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آؤ۔ کیونکہ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے اُن کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے اُن کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ اپنی امانتوں میں دیانتدار رہو۔ اور گناہ سے بچے رہو۔ سُود حرام

ہے۔ مقروض صرف اصل ادا کرے گا۔ پہلا سُود میں اپنے خاندان سے عباس بن عبدالمطلب کا معاف کرتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام جھگڑے مٹائے جاتے ہیں۔ پہلا خون میں ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا معاف کرتا ہوں +

اور اپنے غلاموں کی بابت خیال رکھو کہ تم انہیں وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ اور وہی لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ اور اگر اُن سے کوئی ایسا قصور سرزد ہو جو تم معاف نہ کر سکو تو اُن کو جُدا کر دو۔ کیونکہ وہ بھی اُس خدا کے بندے ہیں اور ظلم کے لئے پیدا نہیں کئے گئے +

لوگو! میری بات غور سے سُنو۔ جان رکھو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی چیز جو ایک بھائی کی ملکیت ہے دوسرا نہیں لے سکتا جب تک وہ خود خوشی سے اُسے نہ دے۔ اپنے آپ کو بے انصافی سے بچائے رکھو +

جو لوگ موجود ہیں وہ اُن لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں یہ الفاظ پہنچا دیں۔ ممکن ہے وہ لوگ جنہیں بتایا جائے اُن لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں جنہوں نے اپنے کانوں سے سُنا ہے" +

یہ خطبہ جس میں کوئی شاعرانہ نکتہ آفرینی نہ تھی جو یقیناً اپنے اندر لاینحل عُقدے نہ رکھتا تھا۔ عقلمندوں کے لئے عملی تعلیم کا سرمایہ دار ہیں۔ انسان کی فطرت ادنیٰ کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اور انہیں اخلاقی رہنمائی کے لئے ایک قطعی اور مکمل لائحہ عمل پیش کرتا ہے +

خطبہ ختم کرنے پر لوگوں کے ذوق و شوق کو دیکھ کر آپ بہت متأثر ہوئے اور فرمایا "اے خدا! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا اور اپنا کام پورا کر دیا" تمام لوگ بیک آواز پکار اُٹھے۔ بیشک آپ نے اپنا کام پورا کر دیا۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "اے خدا! گواہ رہنا" ان الفاظ کے ساتھ آپ نے خطبہ فرمایا جو روایات کے بموجب طوالت، فصاحت اور جوش کی وجہ سے بے مثال تھا اور مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد آپ جلد ہی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔

۱۱ھ۔ ۹ ۲ مارچ ۶۳۲ء سے ۸ اپریل ۶۳۳ء تک

آپ کی زندگی کا آخری سال مدینہ میں گذرا۔ آپ نے مختلف صوبجات اور مسلمان نو آبادیوں کو منظم کیا۔ اور اگرچہ شام اور عراق کے اکثر عرب ابھی تک عیسائی تھے۔ لیکن تمام عرب اب اسلام کا پیرو ہو چکا تھا۔ مختلف صوبجات اور قبائل میں فرائض اسلام سکھانے عدالت کرنے اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے حاکم بھیجے گئے۔ معاذ ابن جبل کو یمن بھیجتے وقت آپ نے ہدایت فرمائی کہ معاملاتِ حکومت کے انصرام میں اگر قرآن سے حوالہ نہ ملے تو اپنی حکومت پر بھروسہ کیا کرو۔ حضرت علیؓ کو یمامہ کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا "جب لوگ تیرے پاس انصاف کے لئے آئیں۔ تو جب تک فریقین کی بات نہ سُن لو فیصلہ نہ کرنا"۔

عثمان بن زید کے ماتحت ایک مُہم بازنطینیوں کے خلاف بھیجنے کی تیاریاں

کی گئیں۔ تاکہ اُن سے سفیر کے قتل کے خوُن بہا کا مطالبہ کیا جائے۔ فوجیں کوُچ کرنے کے لئے شہر کے باہر تیار کھڑی تھیں کہ اُس زہر کے اثرات آپ پر ظاہر ہوئے جو خیبر میں یہودن نے آپ کو دیا تھا۔ ظاہر ہوتا تھا کہ اب آپ زیادہ دن زندہ نہیں رہیں گے۔ آنے والے خطرات نے مُہم کو رُکوا دیا۔ اِس خبر نے ملک کے دُور دراز علاقوں میں بدنظمی پیدا کر دی۔ اوباشی و غارت گری کے لئے نبوّت کے تین دعویدار کھڑے ہو گئے۔ اُنھوں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے قبائل پر اثر ڈالنے کے لئے ہر قسم کے فریب و دغا سے کام لینے لگے۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک ابہالہ بن کعب تھا۔ جو الاسود کے نام سے مشہور ہے وہ یمن کا سردار تھا اور علاوہ عقلمند اور امیر ہونے کے چالاک اور شعبدہ باز بھی تھا۔ اپنے سادہ لوح قبائل میں شعبدوں کو بطور معجزات پیش کر کے اُس نے جلد ہی اُنہیں مطیع کر لیا اور گرد و نواح کے کئی علاقوں کو فتح کر لیا۔ اُس نے شہر کو قتل کر دیا جسے آنحضرتؐ نے اُس کے مرحوم باپ بازان کی جگہ صنعا کا گورنر مقرر کیا تھا۔ بازان خسروانِ ایران کے ماتحت یمن کا وائسرائے تھا۔ اور مسلمان ہونے پر آنحضرتؐ نے بھی اس کا عہدہ قائم رہنے دیا تھا۔ اس کی زندگی میں اس کا اثر و رسُوخ نہ صرف اس کے ایرانی ہمعصروں پر تھا جو یمن میں آباد تھے اور ابینا کہلاتے تھے۔ بلکہ اپنے صُوبے کے عربوں پر بھی تھا۔ دغا باز الاسود نے شہر کو قتل کر کے اُس کی بیوی مرزبانہ سے جبراً شادی کر لی۔ ایک رات جب وہ شراب کے نشے میں مست

پڑا ہؤا تھا مرزبانہ کی مدد سے ایہنانے اُسے قتل کر دیا۔ دوسرے دو نو دعویداران نبوت طلیحہ بن خویلد اور ابوثمامہ ھارون بن حبیب جسے عام طور پر مسیلمہ کہتے تھے حضرت ابوبکرؓ کے مسند نشین خلافت ہونے سے پہلے کیفر کردار کو نہ پہنچے۔ مسیلمہ کو اس قدر جُرأت ہوئی۔ کہ آنحضرتؐ کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔ "خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے خدا کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو۔ میں تمہارا حصّہ دار ہوں۔ حکومت ہم دونوں کو تقسیم کر لینی چاہیئے۔ نصف مملکت میری ہو اور نصف قریش کی لیکن قریش ہر چیز کو دبا لیتے ہیں اور انصاف نہیں کرتے۔" آپ نے جواب میں لکھا۔ "خدا کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ محمد الرسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذّاب کی طرف۔ سلام ہو اُن پر جو راہِ مستقیم اختیار کرتے ہیں۔ زمین خدا کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ فلاح صرف متقی ہی پائیں گے۔"

آنحضرتؐ نے اپنے آخری ایام نہایت صبر و تحمّل سے گزارے اور باوجود حد درجہ کمزوری اور ناتوانی کے وفات سے تین دن قبل تک نماز کی امامت کرتے رہے۔ ایک روز آدھی رات کے وقت اپنے پُرانے رُفقا کی آخری آرام گاہ کو تشریف لے گئے۔ اور رو رو کر اُن کے لئے مغفرت کی دعا مانگتے رہے۔ آپ نے بیماری کے ایام میں رہائش کے لئے حضرت عائشہؓ کا گھر منتخب کیا جو مسجد سے بالکل متصل تھا اور جب تک آپ میں سکت رہی جماعت کے ساتھ نماز ادا

فرماتے رہے۔ آخری مرتبہ جب آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ تو علیؓ اور فضل بن عباسؓ آپ کو سہارا دیئے ہوئے تھے۔ سب نے دیکھا کہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ آپ کے چہرے پر ظاہر تھی۔ خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آپ نے مجمع سے اس طرح خطاب کیا "مسلمانو! اگر میں نے تم میں سے کسی پر ظلم کیا ہے تو اُس کے قصاص کے لئے میں تیار ہوں۔ اور اگر مجھے کسی کا کچھ دینا ہے تو جو کچھ میرے پاس ہے وہ تمہارا ہے۔" ایک شخص اُٹھا اور تین درہموں کا مطالبہ کیا۔ جو اُس نے آپ کے ارشاد پر ایک غریب کو دیئے تھے۔ یہ فوراً ادا کر دیئے گئے۔ اور فرمایا "اِس دُنیا میں شرمندگی اُٹھانا اس سے بہتر ہے کہ آخرت میں شرمندہ ہونا پڑے۔" پھر آپ نے دُعا مانگی اُن کے لئے جو موجود تھے۔ اور اُن کے لئے جو دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ سب کو اعمالِ صالحہ، نیکی اور صلح کی تلقین فرمائی۔ اور قرآن کے ان الفاظ پر تقریر ختم کی: "آخرت کے گھر کو ہم نے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے جو دُنیا میں تکبر نہیں کرتے اور نہ فساد کرتے ہیں۔ اور عُقبیٰ کی جزائیں صرف پرہیزگاروں کے لئے ہیں"۔

اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔ آپ کی طاقت جواب دے گئی۔ دوشنبہ کی دوپہر کے وقت ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ (۸ جون ۶۳۲ء) دُعا مانگتے ہوئے آپ کی رُوح جسدِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور "رفیق اعلیٰ" سے جا ملی۔

اس طرح وہ زندگی ختم ہوئی جو ابتدا سے انتہا تک خدائے تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی خدمت پر صرف ہوئی تھی۔ کیا ایسی آزمائشوں اور تحریصات کے درمیان دُنیا میں ایسی زندگی کی کوئی اور بھی مثال ہے؟ کیا کوئی اور بھی ایسا ہوا ہے۔ جو دنیا کی آگ میں اس طرح کھڑا رہ کر اس طرح صحیح و سالم نکلا ہو۔ ایک غریب واعظ عرب کا حکمران بنا۔ کسراؤں اور قیصروں کا ہمسر بنا، قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والا۔ لیکن فروتنی وہی ہے۔ رُوح ویسی ہی نیک، دل ویسا ہی پاکیزہ، عادات میں وہی استقلال، احساسات میں وہی نرمی اور لطافت اور اس فرض کی ادائیگی میں ایسی ہی استقامت ہے جس نے اُسے الامین کا خطاب دلوایا تھا۔ وہ اپنے آپ سے بھی سختی سے محاسبہ کرتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ مکّہ کے ایک معزز شہری سے مذہبی گفتگو میں مصروف تھے کہ ایک غریب نابینا[۱] سچائی کی جُستجو میں آیا۔ آپ نے اُس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ اور ملتفت نہ ہوئے۔ آپ ہمیشہ اس واقعہ کا ذکر افسوس اور پشیمانی سے کرتے رہے۔ اِس پر سُورۂ عبس نازل ہوئی[۲]۔ اس قدر پاکیزہ

۱؎ عبداللہ بن اُم مکتوم۔

۲؎ رسولؐ اللہ چین بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا۔ کیونکہ ایک نابینا اُن کے پاس آیا۔ (اے پیغمبر) تم کیا جانو کہ وہی (گناہوں سے) پاک ہو جاتا یا تیری باتیں سنتا اور اُن سے مستفید ہوتا۔ جو شخص دین کی طرف سے بے پروائی کرتا ہے اسکی طرف تم خوب متوجہ ہوتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ ہدایت نہ پائے تو تم پر کچھ الزام نہیں! اور جو شخص خدا سے ڈر کر دوڑتا ہوا تیرے پاس آیا۔ تو نے اس سے بے اعتنائی کی۔

رحمدل اور اس قدر شجاع ہستی ہمارے دلوں کو نہ صرف عزت سے بلکہ محبت اور اُلفت سے بھر دیتی ہے۔ بزرگوں کے لئے آپ کے اخلاق و تواضع، غریبوں کے لئے آپ کی مُروّت اور متکبروں کے لئے آپ کے پُروقار و تمکنت طرزِ عمل نے آپ کے لئے عالمگیر تعظیم و توصیف کو حاصل کیا۔ آپ کی نیک دلی آپ کے چہرے سے ظاہر ہوتی تھی۔ کتاب فطرت کا یہ عالم باوجود اُمّی ہونے کے اپنے وسیع قلب کے ساتھ جیسے رُوحِ کائنات کی ہمکلامی نے بلند کر دیا تھا۔ ایک ایسی طاقت کا مالک تھا جو عالم و جاہل دونوں کے دلوں کو مسخر کر لیتی تھی۔ اس کے چہرہ پر شکوہ و تمکنت برستی تھی اور ذکاوت و فرزانگی جو اس سے ملنے والے ہر شخص کو جذباتِ عزت و محبت سے بھر دیتی۔ بیشتر روایات آپ کی یکتا عالی ہمتی آپ کے احساسات کی بدرجۂ غایت نرمی و لطافت، آپ کی پاکیزگی اور صداقت پر مبنی ہیں۔ آپ اپنے خدمتگاروں پر بھی بےحد شفقت فرماتے۔ انس رضؓ کہتے ہیں "میں دس سال تک رسولؐ اللہ کی خدمت میں رہا لیکن اس تمام عرصے میں آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا۔" آپ کو اپنے گھر والوں سے بہت محبت تھی۔ آپ کا ایک صاحبزادہ اپنی دایہ کے دُھوئاں دھار گھر میں جو ایک لوہار کی بیوی تھی۔ آپ کی گود میں وفات پا گیا۔ آپ کو بچوں سے بہت محبت تھی۔ آپ گلیوں میں راستہ چلتے ہوئے انہیں پیار کرنے کے لئے ٹھہر جاتے۔ آپ نے تمام زندگی میں کسی کو نہ مارا۔ سخت ترین الفاظ جو آپ نے کسی کے متعلق استعمال فرمائے یہ تھے "اُسے کیا ہو گیا ہے۔ اُس کی پیشانی کیچڑ سے بھر جائے۔" جب

آپ سے کسی پر لعنت کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو فرمایا: "میں لعنت کرنے نہیں آیا۔ میں انسان کی طرف رحمت لے کر آیا ہوں"۔

آپ بیمار کی عیادت کو جاتے، ہر جنازے کے ساتھ جاتے، غلاموں کی دعوت قبول کرتے۔ اپنے لباس کی خود مرمت کرتے۔ اپنی بکریوں کو دوہتے! ور اپنے سب کام خود انجام دیتے۔ آپ دوسروں کا ہاتھ اُس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک وہ خود نہ چھوڑتے اور اس وقت تک رخصت نہ ہوتے جب تک دوسرا رخصت نہ ہو جاتا۔ آپ کا ہاتھ سب سے زیادہ سخی، آپ کا سینہ سب سے زیادہ باہمت اور آپ کی زبان سب سے زیادہ سچی تھی۔ آپ جس کی سرپرستی کا ذمہ لیتے اُسے وفاداری سے نباہتے۔ آپ کی گفتگو سب سے زیادہ شیریں تھی۔ جو لوگ آپ کو دیکھتے آپ کی عزت کرتے اور جو آپ سے ملتے آپ سے محبت کرتے تھے۔ جو لوگ آپ کی تعریف بیان کرتے، کہتے "کہ ہم نے اُس شخص کی مثال کہیں نہیں دیکھی اور نہ آئندہ دیکھنے کی اُمید ہے"۔

آپ نہایت کم گو تھے اور جب بولتے ٹھہر ٹھہر کر بولتے۔ جو سننے والے کو کبھی نہ بھولتا۔ آپ کی طبیعت کا حیا اور رحم، صبر اور انکسار ملنے والوں کی محبت کو مضبوط تر کر دیتا۔ آپ مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے۔ قحط سالی میں بھی اپنی خوراک دوسروں سے مل کر کھاتے۔ اور ہر شخص کی تکالیف کو رفع کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے آپ ادنیٰ ترین لوگوں کے دکھ سننے کے لئے گلیوں میں ٹھہر جاتے، اور اُن کے

غم اور مصیبت کے وقت انہیں تسلی و تشفی دینے کے لئے اُن کے گھروں میں جاتے۔ ادنیٰ ترین غلام آپ کو ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے جاتے۔ تاکہ آپ اُن کے آقاؤں سے بدسلوکی کی تلافی کرائیں یا آزادی حاصل کر دیں۔ کھانے پر بیٹھتے وقت آپ ہمیشہ دُعا مانگتے اور ختم کرنے کے بعد شکر ادا کرتے۔ آپ کا وقت باقاعدہ تقسیم ہو چکا تھا۔ دن کے وقت نماز سے فارغ ہو کر آپ آنے والوں سے ملتے اور دُنیاوی کاموں کو انجام دیتے۔ رات کے وقت بہت کم سوتے اور زیادہ وقت عبادت پر صرف کرتے۔ آپ غریبوں سے محبت کرتے اور اُن کی عزت کرتے۔ وہ لوگ جن کا اپنا کوئی گھر بار نہ تھا۔ رات کے وقت مسجد میں سوتے جو آپ کے مکان سے ملحق تھی۔ ہر رات آپ اپنے غریبانہ کھانے پر ان میں سے چند کو شریک کر لیتے۔ باقی لوگ آپ کے ذی مقدرت اصحاب کے مہمان ہوتے۔ آپ اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی اور تحمل سے پیش آتے۔ آپ حکومت کے دُشمنوں سے سختی سے محاسبہ کرتے۔ لیکن اپنی ذات پر جو ظلم و ستم آپ نے برداشت کئے۔ انہیں اپنے عروج و فتح کے وقت جو انسان کی آزمائش کا نازک لمحہ ہوتا ہے بالکل بھلا دیا۔ اور اپنے بدترین دشمنوں کو بھی عفوِ عام عطا فرمایا۔ آنحضرتؐ کے متعلق مسٹر ہول کا بیان اس قدر خوبصورت ہے۔ اور پھر بھی حقیقت پر اس قدر مبنی کہ میں اسے درج کئے بغیر نہیں رہ سکتا: "اس شخص میں کوئی چیز بے انتہا نرم اور لطیف ہونے کے باوجود اس قدر شجاعانہ ہے۔ اور دل اُس کی عزت و

محبت سے اس قدر پُر ہو جاتا ہے۔ کہ انسان کی رائے کو رانہ ٹھوکریں کھاتی رہ جاتی ہے۔ وہ شخص جو تن تنہا سالہا سال تک اپنی قوم کے جور و ستم مردانہ وار برداشت کرتا رہا۔ وہی ہے جو کبھی دوسرے کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ لگانے میں سبقت نہیں کرتا۔ وہ وہی بچّوں کا محبُوب ہے۔ جو اُن کے پاس سے اپنی حیرت انگیز آنکھوں کے ایک لطیف تبسّم یا ایک شیریں کلمے کے بغیر نہیں گذرتا۔ جسے اُس کی سُریلی آواز شیریں تر بنا دیتی ہے۔ اس کی مخلصانہ دوستی، اس کی بلند پایہ سخاوت، اس کی بے نظیر شجاعت نکتہ چینی کو خود بخود تعریف میں بدل دیتی ہے۔

وہ ایک جوشیلا انسان تھا۔ جوش ان باعظمت معنوں میں جبکہ وہ زمین کے نمک کا کام دے۔ اور زندہ انسانوں کو گلنے سڑنے سے بچا لے۔ جوش عموماً عداوتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور ایک ایسا بیج ہے جو بُرے مقصد کے ساتھ بنجر زمین میں ڈالا جاتا ہے۔ اس لئے بارآور نہیں ہوتا۔ لیکن محمد (صلعم) کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا۔ اس نے جوش کو اس وقت استعمال کیا۔ جس وقت جوش ہی ایک ایسی چیز تھی جو دُنیا کو بیدار کرسکتی تھی۔ اور اس کا جوش ایک شریفانہ مقصد کے لئے تھا۔ وہ ان چند خوش قسمت ہستیوں میں سے تھا۔ جنھوں نے اپنی زندگیوں کو کسی عظیم الشان صداقت کے اظہار پر صرف کر دیا۔ وہ خدا کا پیغام بر تھا۔ اور زندگی کے آخری لمحات

تک وہ اِس بات کو نہ بھُولا اور نہ ہی اُس پیغام کو بھُولا۔ جو اُس کے سپُرد کیا گیا تھا۔ لوگوں کو بشارت دیتے وقت اُسے اپنے بلند و بالا مرتبہ کا پُورا احساس تھا۔ لیکن وہ اس عجز و انکسار کو کبھی نہ بھُولا جس کی متقاضی اُس کی بشریّت تھی +

آپ کی عادات حد درجہ سادہ تھیں۔ آپ کی طرزِ زندگی، آپ کا لباس اور گھر کا سامان آخر وقت تک سادگی کا نمونہ رہے۔ ابُوہریرہؓ کا بیان ہے۔ کہ کئی کئی وقت آپ فاقہ سے رہے۔ اکثر کھجُوروں اور پانی پر آپ کا گذارہ ہوتا۔ غربت کی وجہ سے اکثر مہینوں آپ کے گھر آگ نہ جلتی۔ مسلمان مؤرخ کہتا ہے کہ بے شک خدا نے خزائن ارضی کی چابیاں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا +

دنیا کے اس ہادیٔ اعظم کا دماغ اپنی ذہانت اور اپنے ترقی کرنے والے اعیان کی وجہ سے نہایت جدید واقع ہؤا تھا۔ اُس کی تعلیم میں مسلسل جدوجہد انسانی زندگی کی ایک اشد ضرورت تھی۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اور اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللہِ پر اس کا ایمان تھا۔ جس دُنیا کا علم اُس نے سکھایا وہ ایک ایسی تخلیق تھی جس میں حسنِ تنظیم کا عمل تھا۔ اور جس کی رہنمائی آسمان کی وہ بالاتر طاقت کرتی تھی جو تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔ اور جس میں بفحوائے کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِھَا ہر کام اپنے وقت پر انجام

پاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انسانی ارادہ اپنی نجات کے حصول کے لئے آزاد تھا۔ اس کی ہمدردی عالمگیر تھی۔ اُسی نے بتایا کہ خالق کا رحم و کرم اپنی مخلوق کے لئے عام ہے۔ اُسی نے کہا کہ ایک انسانی جان کو بچانا بھی ایسا ہی ہے جیسے ساری نوعِ انسان کی حفاظت کی گئی۔

اُس کا معاشرتی تصور تعمیری تھا تخریبی نہیں تھا۔ انتہا درجے کی رُوحانی کیفیت کے وقت بھی وہ ازدواجی زندگی کے احترام سے غافل نہ ہوتا تھا۔ اُس کے نزدیک خدمتِ خلق ہی بہترین عبادت تھی۔ مسلمانوں کو وہ یہ تلقین نہیں کرتا تھا کہ وہ اُن لوگوں کو چھوڑ دیں۔ جن کے فرائض اُن پر عائد ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ کہتا تھا کہ اپنے فرائض ادا کر کے مرتبہ اور اجر حاصل کرو۔ بچے اُس کے نزدیک خدا کی امانت تھے۔ جنہیں محبت و شفقت سے پالنے کا حکم تھا۔ اور والدین کے حقوق عزت و احترام تھے۔ حقوق و فرائض کے دائرے میں رشتہ دار ہمسائے اور غرباؑ و مساکین سبھی آجاتے تھے۔

چودہ صدیاں گزر گئی ہیں جب اُس نے اپنا پیغام سُنایا تھا لیکن امتدادِ زمانہ اُس عزت و احترام میں رخنہ اندازی نہیں کر سکا جو مسلمانوں کے قلوب میں اِس محترم ہستی کے لئے موجود تھا۔ چنانچہ آج بھی اُسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں اور اُن کی زبان پر یہ نہ بھولنے والے الفاظ جاری ہیں:۔

رُوحی فداک یا رسُول اللہ

اکسپرٹ لیتھو پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام چوہدری محمد اسلم پرنٹر چھپکر شائع ہوئی ۔